انٹرنیٹ ایڈیشن

مجلہ

افکارِ قاسمی

اپریل تا جون 2018

زیر نگرانی

مولانا کلیم احمد قاسمی

مدیر اعزازی

ناصر الدین مظاہری



پیشکش

الغزالی اُردو فورم www.algazali.org



مجلہ

افکارِ قاسمی

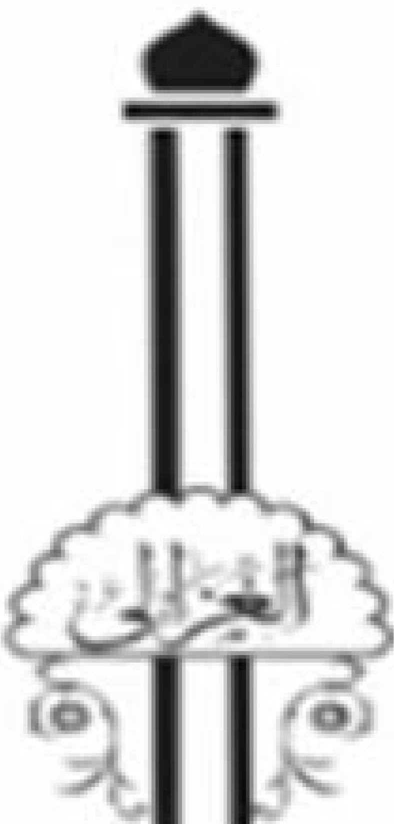
اپریل تا جون 2018

زیرِ سرپرستی
مولانا مبارک علی مظاہری

زیرِ نگرانی
مولانا کلیم احمد قاسمی

مدیرِ اعزازی
ناصر الدین مظاہری

معاون مدیر
محمد داود الرحمن علی



- دینی، علمی، اصلاحی، کمپوز شدہ مضامین قابل قبول ہوں گے۔
- نزاعی اور اختلافی نیز سیاسی مضامین شائع نہیں ہوں گے۔
- مضمون نگاروں کی تمام آراء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔
- تمام کمپوز شدہ مضامین صرف بذریعہ ای میل ارسال کریں۔
- ہر شمارہ ڈاؤنلوڈ کر کے محفوظ کرلیں ای میل سے نہیں بھیجا جائے گا۔

پیشکش

الغزالی اُردو فورم www.algazali.org

آئینۂ مضامین

غلامی کے بدلتے نظریئے

اداریہ ناصر الدین مظاہری

۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کی وہ تاریخ ساز گھڑی تھی جب ہندوستان کے افق پر آزادی کا سورج طلوع ہو رہا تھا یا بالفاظ دیگر جب ہندوستان میں غلامی کا سورج غروب ہو رہا تھا، ہم خوش تھے اور ہماری خوشی ایک فطری جذبہ تھی کہ سینکڑوں سال کے بعد غلامی کی دلدل سے نکل کر آزادی کا سانس لے رہے ہیں مگر...... افسوس! ہم جس چیز کو آزادی سمجھ رہے تھے وہ ''غلامی'' کی ایک بدلی ہوئی تصویر تھی، پہلے ہمارے جسم غلامی کی طوق میں جکڑے ہوئے تھے اور اب ہمارا فکر غلامی کے عفریت میں پھنسا ہوا ہے...... پہلے ہمارے گھروں میں کھانے سے لے کر پینے تک...... پہننے سے لے کر اوڑھنے تک جتنی چیزیں تھیں وہ سب ہماری تھیں، ہمارے ملک کی پیداوار تھیں، ہمارے لوگوں کی دستکاری تھی، خالص ہندوستانیوں کے دماغوں اور پسینوں کا نتیجہ تھی، جو بھی چیز تھی اس کے استعمال سے یک گونہ خوشی ومسرت حاصل تھی کہ یہ چیز خالص ہے اور ہماری ہے...... لیکن...... اب کوئی چیز خالص نہیں رہی...... کھیتیاں ہماری ہیں بیج یہودیوں کا ہے...... بیڈ اور فرنیچر کی لکڑی ہماری ہے مگر کاریگری باہری ہے...... ہمارے گھروں میں جلنے والی ٹیوب لائیٹس، چلنے والے اے سی سسٹم، پانی گرم کرنے والے آلات، خبریں نشر کرنے والا ٹی وی، کمپیوٹر، سڑکوں پر دوڑنے والی رنگ برنگی کاریں، دریاؤں میں ہچکولے کھاتی سمندری کشتیاں، تیرتے جہاز، اڑتے چنگھاڑتے جنگی طیارے، گرجتے میزائل، برستے بم جو کچھ بھی ہم اپنا کہہ کر استعمال کر رہے ہیں وہ صحیح معنوں میں ہمارا نہیں ہے، ہم صرف اس کے خریدار ہیں، اس کا سامان امریکہ کا، اس کی مشینری جاپان کی، اس کا دماغ چین کا تو اس کا پیٹرول گلف ممالک کا ہے، صرف لے دے کے چلانے والے ہمارے ہیں لیکن سکھانے والے؟ امریکہ، روس، جاپان اور فرانس کے...... کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ دہلی اور (بنگال کے علاوہ) ہندوستان کے کئی صوبوں میں میٹرو ریل کا تعمیراتی کام ملکی نہیں غیر ملکی ہے، اس کے انجینئر، ماہرین، مشینیں، ٹیکنالوجی ہمارا کچھ بھی نہیں ہے اگر ہے تو ہماری زمین اور ہمارے مزدور جن کو دو وقت کی روٹی نے اب بھی ''نوکری'' پر مجبور کیا ہوا ہے۔

ہم خوش ہوتے ہیں اور ہماری یہ خوشی حق بجانب ہے کہ ہمارا ملک بہت سے ایشیائی مما لک میں ترقیات میں بہت آگے ہیں لیکن یہ کیسی ترقی ہے؟ جہاں اونچے عہدوں پر شہدوں کا راج ہے، سفید فام یا سیاہ فام امریکیوں کی حکمرانی ہے، فوجی ہمارے ہیں لیکن ان کو تربیت دینے والے اسرائیلی ؟ کیوں؟ اسرائیل جیسا ننھا سا ملک اس قدر ترقی کر گیا کہ آج اس کے پاس شاندار لائق کاشت آراضی ہے، بہترین قابل اعتماد انجینئر ہیں، مضبوط ترین دفاعی سسٹم ہے، ایٹمی ہتھیاروں سے مالا مال ہے، جنگی جہازوں اور سازوسامانوں کا بیوپاری ہے، بڑی بڑی صنعتیں ہیں، اپنا ذاتی راڈار ہے، شاندار قسم کا اپنا سرور ہے، (یہ بات شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ انٹرنیٹ کے سرور دنیا بھر میں ایک درجن سے بھی کم ملکوں کے پاس ہیں) فوجی حکمت عملی ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارا ملک جو صرف اور صرف ہمارا ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج تک ہندوستان اپنا بہترین قسم کا جنگی سامان تیار نہیں کر سکا، کیا وجہ ہے کہ غاصب ملکوں سے خوف زدہ ہے اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے اور جی حضور کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتا، کیا وجہ ہے کہ اپنے آپ کو بادشاہ تصور کرانے کے بجائے دوسروں کی بادشاہت تسلیم کرنے پر تلا رہتا ہے؟

اے ملکی امراء اور وزراء! آگے بڑھو، ڈر کو اپنے سے دور کرو، میدان تمہارا منتظر ہے، اپنے ایٹمی پلانٹ تیار کرو، ایسا سامان بناؤ جس کے باعث دنیا والے ہندوستان کی قوت کے آگے سر تسلیم خم کریں، وہ مما لک جو آئے دن ہمیں آنکھ دکھاتے ہیں ہم ان کو آنکھ دکھا سکیں؟ وہ طریقے اپنائیں جن کی وجہ سے عالمی طور پر ہمارا وقار و معیار اور بھرم استوار ہو سکے، وہ فوج بنائیں جو دوسروں کا سہارا بن سکے، ایسی مشینیں ایجاد کریں جو دیگر ملکوں کی مجبوری بن جائیں۔

کب تک غلامی کی طوق اپنے گلے میں ڈال کر دنیا بھر میں ہندوستان کی رسوائی اور جگ ہنسائی کراؤ گے؟ خدارا! اٹھئے! اور تمام غیر ملکی اشیاء کو کباڑ خانے میں ڈال کر آگے بڑھنے کا ہنر و حوصلہ پیدا کیجئے، امپورٹ سے زیادہ ایکسپورٹ پر دھیان دیجئے، برآمدات سے زیادہ درآمدات پر توجہ دیجئے ...... اپنی نئی نسل جو بے روزگار ہے اس کو روزگار کے مواقع فراہم کیجئے، اپنا دماغ استعمال کیجئے، اپنی قوتوں کو سمجھنے کی کوشش کیجئے، بہت دنوں ہم دست نگر بنے رہے اب دوسروں کو اپنا دست نگر بنانے کے بجائے ان کا مسیحا بنئے اور دنیا پر چھا جانے کا اپنے اندر ہنر و حوصلہ پیدا کیجئے اور پھر شوق سے گنگنایئے ......ع:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

مادی علوم کے اسلامی اصول

محمد طارق غازی، ڈائریکٹر: امم سٹڈیز ہاؤس (USH) ٹورانٹو/کینڈا

مادی سائنسوں امت اسلامیہ کا زوال وہ مفروضہ داستان غم ہے جو اِگناک (اضحاک یہودا) گولڈزیہر اور برنارڈ لوئس کے طعن وطنز سے شروع ہو کر انہی جیسوں کے بنائے ہوئے مغربی نظام تعلیم کے آفریدہ اور پروردہ مسلمانوں کے نوحوں اور ملامتوں تک یوں پھیلی ہوئی ہے کہ اس کا نقطۂ انتہاء غالب کی تمنا کا دوسرا قدم بن کر رہ گیا۔

مریخ پر پانی کی کھوج کے بعد دنیا کا سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ دنیا بھر میں صرف مسلمان ہی کیوں اچانک مادی سائنسوں کو طلاق دے کر بیٹھ رہے۔ دنیا کی شائد ہی کوئی یونیورسٹی ہو جہاں اس فکرمندی کے ثبوت میں اسلامک سٹڈیز کے عنوان سے شعبے قائم نہ ہوں اور جہاں دوسو یا تین سو سال سے یہ مسئلہ ہر اہم اور غیر اہم شخص کی قلم کاریوں کا ہدف نہ بنا ہو، اور جہاں یہ فیصلے صادر نہ کئے جارہے ہوں کہ کمزوری کہیں خود اسلام ہی میں تھی، ورنہ سائنس تو ہر در کا کتا ہے۔ حیرت ہے کہ کوئی نہیں پوچھتا کہ پچھلے دو ہزار سال میں یونان نے کوئی دوسرا سقراط، بقراط، جالینوس اور فیثاغورث کیوں پیدا نہیں کیا اور کیا یہ ثابت نہیں کردیا کہ اس ناکام یونانی تہذیب کے اندر کوئی ایسا عیب اور جہل کا عنصر تھا یا معاشرتی دماغی فتور کہ ایک اتفاقی حادثہ کے بعد علم وفکر وہاں سے اردو شاعری کے محبوب کی کمر کی طرح غائب ہوگیا۔ کوئی فکر نہیں کرتا کہ رومن امپائر کے انتقال بے ملال کے بعد اٹلی کو دوسرا جولئس سیزر میسر نہ آیا تو کیا ثابت نہ ہوا کہ اٹلی میں کوئی اندرونی معاشرتی خرابی ضرور تھی کہ دوبارہ ایسا شخص اسے نہ مل سکا۔ کسی کے منہ میں زبان حرکت نہیں کرتی کہ پانچ ہزار سال پہلے مصر میں اہرام اور الاقصر، ابوسمبل اور کرناک کے مندر جیسے عجائبات بنانے والی قبطی قوم سائنس اور ٹکنولوجی کے میدان سے اچانک غائب ہوگئی تو کیا ان قبطیوں کے دماغوں میں کوئی ایسی خرابی پیدا ہوگئی تھی کہ وہ آج نیل کے ساحل پر ریت کے گھروندے بنانے کے قابل بھی نہ رہے۔

تاریخ میں ایسے دسیوں سوال ہیں جن پر کوئی عمریں لگاتا ہے نہ کتابیں لکھتا ہے، نہ انہیں حل کرنے کے لئے دنیا کی ہزاروں یونیورسٹیوں میں نام دے دے کر تعلیمی شعبے قائم کئے جاتے ہیں۔ یہ ستم افزائی

صرف مسلمانوں کی خاطر ہے۔

راستی حد تو ہرگز نبود صحبت ما
بس اگر برسرایں کوئے کنی سگ بانی

سچ یہ ہے کہ یہ سوال اس لئے نہیں کئے جاتے کہ ان کا علم سے کوئی تعلق ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو لوگ ایسے سوالات اٹھاتے ہیں علم سے ان کی وہی نسبت ہے جو ہاتھی کو اپنے دستر خوان پر مدعو کرنے والی چیونٹی کو ہاتھی کے باورچی خانہ سے ہوگی۔ ان دماغوں پر علم کی حقیقت نہیں کھل سکی۔

علم، معاشرہ اور قانون

علم انسان کا ذاتی کمال نہیں ہے اور نہ علم کے کسی شعبہ میں کمال حاصل کرنا ہر انسان اور ہر قوم پر واجب ہے۔ علم تو ایک ربانی انعام ہے جو مادی اور روحانی دونوں سمتوں سے دارین میں زندگی کو سہل اور مفید اور خوشگوار بنانے کی غرض سے انسان کو بقدر ہمت اوسط عطا کیا گیا ہے۔ علم بطور ایک صلاحیت کے فرد کی فطرت میں موجود ہے۔ فرد اپنے زوج کے ساتھ معاشرہ بناتا ہے۔ معاشرہ قانون کا تقاضا کرتا ہے۔ قانون کا منبع بھی وہی ہے جو علم کا ہے کیونکہ قانون خود علم ہی کی ایک شاخ ہے۔ یہ ہے وہ مدار جس پر معاشرہ کی کہکشاں گردش کرتی ہے۔ نہ ہر کہکشاں میں ہر سورج یکساں حجم کا ہوتا ہے، نہ معاشروں میں پانچوں انگلیاں برابر ہوتی ہیں اور نہ قانون ہر عمل کی جزا و سزا میں یکسانیت کا قائل ہوتا ہے۔

قرآن حکیم کے آغاز ہی میں تمام نوع انسان پر یہ واضح کردیا گیا ہے کہ انسان اول کو خلافت ارضی عطا فرمانے کے اعلان کے ساتھ بطور دلیل پہلے حقیقت اسماء واشیاء کے عنوان سے مادی علم دیا گیا تھا (وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا - البقرہ ۲:۳۰ = اور آدم کو تمام اشیاء کے ناموں کا علم دے دیا)، مگر چونکہ مادیات کا علم اپنے مزاج سے ایک حصان بادیہ، اسپ وحشی اور رخش بے عناں ہے تو اس کو لگام بند کرنے کے لئے آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام دونوں کو بیک لمحہ قانون یا شریعت، یعنی امر و نہی، جائز و ناجائز، مباح و ممنوع کا علم دیا گیا: وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا [ص] وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ٥ البقرہ ۲:۳۵ = اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم تم اور تمہاری زوجہ جنت میں رہو اور دونوں اس میں سے جہاں سے جی چاہے اور جو جی چاہے جتنا چاہے کھاؤ؛ مگر دیکھو اس شجر کے قریب بھی نہ جانا، ورنہ اپنی جانوں پر ظلم کرو گے۔

اس دوسری آیت مبارکہ میں امر و نہی، جائز و ناجائز، حلال و حرام دونوں کا علم کل معاشرہ، یعنی آدم و

حوا دونوں کو ساتھ ساتھ دے دیا گیا تھا۔کیا کرنا ہے یہ بھی واضح کر دیا گیا تھا اور کیا نہیں کرنا ہے اس کی نشان دہی بھی کر دی تھی۔یہ جنت کا قانون تھا۔دنیاوی اسلامی اصطلاح میں اسی کو شریعت کہا جاتا ہے۔سادہ زبان میں قانون یا شریعت کا منشاء انسان کو نفع نقصان،مفید ومضر،جائز وناجائز،حلال وحرام،مباح و مکروہ سے باخبر کرنا اور ایک ایسے دائرۂ عمل کا تعین کرنا ہے جس کے اندر آدمی محفوظ اور کارآمد زندگی گزار سکے۔اس عرفان کے بغیر انسان کسی بھی نوع کے علم سے از خود مستفید نہیں ہو سکتا بلکہ شدید نقصان اٹھاتا ہے۔انسان کی تاریخ اس کی گواہ ہے۔

علم کی اس حقیقت کو سمجھے بغیر عہد رواں میں علم کو انسان کا ایک ایسا مشروط بنیادی حق باور کرلیا گیا ہے کہ پیسہ جیب میں ہو تو اسے بازار سے خریدا جا سکتا ہے اور نہ ہو تو حق کا بنیادی تقاضا سوخت ہو جاتا ہے۔یہ علم سکول،کالج اور یونیورسٹی میں حاصل کیا جاتا ہے۔مادی علوم کی حقیقت،اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں،لیکن اختراعی صلاحیت کے اظہار کی سند صرف یونیورسٹی کی ڈگری نہیں ہوتی۔عجیب بات ہے کہ بے علم تصور کیا جاتا ہے وہ بچہ جو تدریب کے مراحل سے گزر کر بڑی مہارت اور نفاست سے قالین بافی کرتا ہے،وہ فن شناس جو عمدہ نرم اور گرم کپڑا بنتا ہے،وہ کاریگر جو خوبصورت اور نازک زیورات گڑھتا ہے۔اس پس منظر میں تمام حرفتوں پر خط تنسیخ کھینچ کر عام طور سے علم سے مراد تصوری یا تجربی مادی علم ہوتا ہے اور اسی کے وجود وعدم کے پیمانوں پر قوموں کی معاشی اور معاشرتی درجہ بندی کرنے کا رواج پڑ گیا ہے۔مسلمانوں کا ایک طبقہ اسی پیمانے پر امت مسلمہ کی استعداد کو آنکتا ہے اور اپنے منطقی نتائج میں مسلمانوں کے ادبار اور پسماندگی کے اسباب سے بحث کرتا ہے۔

مادی علوم میں امتوں کا موازنہ

عہد رواں میں اس نہج پر سوچنے والے کچھ مسلمانوں میں یہ تکلیف دہ احساس پایا جاتا ہے کہ دیکھو یہودیوں اور عیسائیوں کو اتنے بہت سے نوبیل انعامات ملتے ہیں مگر ان ممتاز سائنسدانوں میں مسلمان نظر نہیں آتے۔ان اہل دانش کی دانست میں اس کی وجہ وہی جدید یا مغربی یا مادی علوم میں مسلمانوں کی پسماندگی ہے۔یہ بھی کوئی نیا خیال نہیں ہے۔اس کی جڑیں یورپی استعمار کے فلسفۂ عمل میں ڈیڑھ دو سو سال سے پیوست ہیں۔بر دست یہ موضوع گفتگو نہیں ہے، بلکہ فطری اور کسی درجہ میں معاشرتی سائنسوں میں مسلمانوں کی پسماندگی کا شکوہ مورد توجہ ہے۔

اس مسئلہ کے دو جوابات ہیں۔ایک الزامی اور دوسرا معروضی۔الزامی جواب یہ ہے کہ مسلم دنیا میں

سیکڑوں ہزاروں یونیورسٹیاں کھلی پڑی ہیں جن میں مسلمان ہی اقتصادیات، کیمیا، طبیعیات اور طب مغرب وغیرہ کی تعلیم دیتے اور حاصل کرتے ہیں. ان کے علاوہ گزشتہ نصف صدی کے دوران لاکھوں نہیں تو ہزارہا مسلمان اعلیٰ تعلیم کے لئے شمالی امریکہ اور یورپ کے مادی ترقی یافتہ ملکوں میں جابسے اور وہاں کی یونیورسٹیوں سے انہی مادی علوم میں اونچی ڈگریاں حاصل کئے بیٹھے ہیں. انہیں کس نے کوئی نوبیل انعام حاصل کرنے سے روک رکھا ہے. یہ بہترین اور تجربہ کار دماغ اگر اس انعام کے حقدار نہیں مانے جاتے تو اس کی کوئی وجہ ہوگی: یا تو علمی اعتبار اور تحقیقی معیار سے ان میں اس انعام کی اہلیت ہی نہیں ہے یا پھر یہ ان کے ملی تشخص کا مسئلہ ہے. جس سے مسلمان عموماً لاعلم ہیں یا اس معاملہ میں معروضی گفتگو سے بوجوہ اجتناب کرتے ہیں. اہلیت کی بات قابل قبول نہیں ہے. ایسا نہیں ہے کہ دیگر اقوام کچھ زیادہ ہی لائق و فائق اور ذہین و فطین ہیں اور مسلمان نرے نااہل اور نکمے اور بے عمل اور بے شعور ہیں. چنانچہ دوسرا نکتہ غور طلب ہے.

اس سوال کے معروضی جوابات دو ہیں. اول یہ کہ واقعہ ایلاء کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت سے حضرت عمرؓ کی ایک طویل حدیث میں آتا ہے کہ فرمایا جب وہ رسولؐ اللہ کے گھر میں تشریف لے گئے تو ''میں نے آنکھ اٹھا کر گھر کا جائزہ لیا. اللہ گواہ ہے کہ گھر میں تین چمڑوں کے سوا کوئی ایسی شے نہیں دیکھی جس پر نظر ٹکتی. میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، دعا فرمائیں کہ اللہ آپ کی امت کو ویسی فراخی عطا فرمائے جو فارس اور روم کی قوموں کو حاصل ہے. انہیں دنیا عطا کی گئی ہے حالانکہ وہ عبادت گزار نہیں ہیں. رسولؐ اللہ ابھی تک ٹیک لگائے بیٹھے تھے لیکن اب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ابن خطاب، تمہاری نظر میں بھی یہ چیزیں اہمیت رکھتی ہیں. یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں جو بھلائی ملنے والی تھی سب اسی دنیا میں دے دی گئی''. (امام بخاری. جامع الصحیح : تفہیم البخاری ۳:۷۹ ح ۱۷۴).

عہد رسالت میں جو درجہ فارس اور روم کا تھا آج اسی مقام پر مغرب کے یہودی اور عیسائی ہیں. البتہ مشرقی ملکوں میں رہنے والے عیسائی اور یہودی نوبیل اعزاز کے مستحق نہیں سمجھے جاتے.

نظام فطرت کے خلاف عمل

سائنس اور ٹکنولوجی میں مسلمان مغرب کے یہود و نصاریٰ کی مانند کیوں نہیں کا دوسرا معروضی جواب

یہ ہے کہ دیگر اقوام کی نسبت اسلامی فطرت کے زیر اثر مسلمانوں میں ملی حیثیت سے قانون کی اطاعت کا مادہ زیادہ ہے جو اطلاقی مادیات (applied material sciences) میں نسبتاً غیر مفید ہے۔

ایجادات میں ایک قسم کی قانون شکنی اور فطرت سے چھیڑ چھاڑ کا پہلو ہوتا ہے۔ مثلاً آکسیجن اور ہائیڈروجن دو آزاد ہوائیں ہیں جن کی آمیزش سے پانی بنتا ہے مگر اس عمل میں دونوں ہواؤں کی اصل ماہیئت باقی نہیں رہتی، دونوں کا اپنا فطری وجود ختم ہو جاتا ہے۔ سادہ مادی یا سائنسی کلیہ ہے کہ قدرتی تخلیق میں ردو بدل کئے بغیر کوئی نئی ایجاد ممکن نہیں ہوتی۔ کوئی نئی چیز بنانے کے لئے کسی قدرتی نظام کو تہہ و بالا اور شکست کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کائنات کے فطری نظام سے ٹکراؤ یا اشیاء کی اصل ماہیئت میں الٹ پھیر علوم مادیات میں ترقی کے لئے ضروری ہے۔ دو ہواؤں سے پانی بنالینا برا نہیں، مگر انسان نے سائنس کی مدد سے کوئی سمندر تو کجا ایک تالاب یا ایک پیالہ پانی بھی نہیں بنایا۔ کسی بات کا جاننا اور بات ہے اور اس کا تجربہ دیگر شے ہے۔ انسان یونہی پانی بنانے کا اہل ہوتا تو خشک و بے آب و گیاہ مریخ پر اب تک سمندر بہا چکا ہوتا اور نظام قدرت سے وہاں پانی کی بھیک نہ مانگ رہا ہوتا۔

دوسری جانب عہد رواں میں انسان نے ایسی بے شمار ایجادات کی ہیں جن کے مفید عمومی فائدہ سے تو کلیتاً انکار نہیں، لیکن ان کی مطلق مضرتیں نسبتاً زیادہ ہیں جو فطرت سے بغاوت اور نظام قدرت میں انسان کی بے محابا دست اندازی اور بلا روک ٹوک تخریب و تبدیلی کا نتیجہ ہیں۔

درست ہے کہ تمام مادی ایجادات مضر ہی نہیں ہوتیں، مگر پھر انہی جدید نوبیل انعام یافتہ ایجادات کے مضر اثرات (side-effects) کے نوحوں سے ابلاغیہ میں خبروں کے متن، ٹیلیوژن قناتوں پر لنگروں کے واویلے اور عالمی کانفرنسوں میں محققوں کے مقالے بھرے پڑے ہیں۔ اکثر جدید ایجادات پر شراب کی آیت (البقرہ ۲:۲۱۹) منطبق ہوتی ہے کہ ان کے نقصانات بہت ہیں اگر چہ کچھ فائدے بھی ہیں۔ مثالیں اتنی ہیں جتنی نئی ایجادات۔ بات سمجھنے کے لئے صرف چند کا اجمالی ذکر کافی ہے۔

امراض سازی کی صنعت

عصر حاضر میں مادی ایجادات کی ایک خصوصیت مرض آفرینی ہے۔ اکثر نئی ایجادات نقصان رساں اور پیچیدہ امراض پیدا کرنے والی ہیں۔ ہمارے اس زمانہ کے نفسیاتی اور بدنی عوارض کی کثرت اور آئے دن نت نئے امراض کی خبریں اس کی دلیل ہیں۔ بیسویں عیسوی صدی میں دنیا کی دو مہیب ترین جنگوں

میں مجموعی طور پر تقریباً ۱۴ کروڑ انسانوں - فریقین کے لڑاکوں اور نہتے معصوم شہریوں - کو مجموعی طور پر یورپی قوموں نے صرف دس سال کی قلیل مدت میں مجنونانہ طریقہ سے لقمۂ اجل بنادیا تھا جن کی غالب اکثریت بے ضرر بوڑھوں، عورتوں، بچوں کی تھی: اوسطاً سالانہ تقریبا ڈیڑھ کروڑ (۱۴ ملین) انسانوں کا قتل عام تھا جس پر آج تک کوئی شرمندہ نہیں ہے۔ ان کے علاوہ بیسویں صدی میں آٹھ کروڑ (۸۰ ملین) سے زیادہ عام شہری مختلف ملکوں میں ہونے والے قتل عام، نسل کشی اور برادر کشی کی منصوبہ بند مہموں اور کسی دیگر مقام پر سوچی سمجھی علاقائی جنگوں میں مارے گئے۔ پوری معلوم انسانی تاریخ میں ایک صدی کے دوران اتنے انسان پہلے کبھی انسانی وحشت و ظلم کا شکار نہیں ہوئے۔

یہ جو کچھ ہوا سب بے مہار مادی ایجادات ہی کا نتیجہ تھا، خواہ جنگی ہتھیاروں کے ذریعہ ہو یا مادی ترقیات اور جنگوں کے پیدا کئے ہوئے لاعلاج نفسیاتی عوارض کی وجہ سے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق افغانستان، عراق اور شام کے محاذوں سے واپس آنے والے کم عمر امریکی اور کینڈائی سپاہیوں کی ایک قابل لحاظ تعداد بدنی اور نفسیاتی اور دماغی امراض کی شکار ہے۔ بے خوابی کے شکار ان ذہنوں پر طاری دہشت کا کوئی علاج جدید طب اور سائنس میں نہیں ہے۔ ان غریبوں کی مصیبت کی خبروں کو ابلاغیہ میں کوئی بہت نمایاں جگہ نہیں دی جاتی۔

گزشتہ صدی کے دوران دنیا میں امراض میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ اب سے پچاس ساٹھ سال پہلے تک صرف بڑے شہروں یا ضلع کے صدر مقام میں اوسط درجہ کا ایک سرکاری ہسپتال ہوتا تھا جہاں تعینات ایک تجربہ کار سرجن سنگین امراض کا علاج کر دیتا تھا۔ باقی عام لوگوں کی صحت کی دیکھ بھال قصبوں، محلوں اور گلیوں میں بیٹھے ہوئے ڈاکٹر یا حکیم یا وید کر لیتے تھے۔ پیچیدہ امراض کا وقوعہ شاذونادر ہوتا تھا اس کے برعکس آج چھوٹے شہروں اور قریوں میں بھی نجی زمرہ میں کئی کئی منزلہ عظیم الشان ہسپتال قائم ہو چکے ہیں جن کی تجارتی درجہ بندی اونچے پنج تارہ ہوٹلوں کے معیار پر کی جاتی ہے۔ ان میں مریضوں کی کثرت دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ شہر میں شائد ہی کوئی صحت مند شخص رہ گیا ہے۔ ہر اہم شہر میں کئی کئی بڑے بڑے خصوصی ہسپتال کروڑوں ڈالر/روپے کی لاگت اور مالیت والی اور سالانہ بھاری نفع کمانے والی بڑی گردن کش تجارت بن چکے ہیں جن کا اخلاقیات سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ بہت سے بڑے ہسپتال کسی خاص سنگین مرض کے علاج کیلئے خاص ہیں۔

کینڈا کے ایک نوجوان مسلم ڈاکٹر سے ایک بار پوچھا گیا کہ سنا تھا ڈاکٹری کی سند لیتے ہوئے نئے ا

طباء کو بقراط کے عہدنامہ کا حلف لینا پڑتا تھا.کیا میڈیکل کالجوں میں یہ رسم آج بھی باقی ہے؟ کچھ تأمل کے بعد جواب ملا: عہدنامہ اور حلف وغیرہ تو کچھ نہیں ہوتا، آج کے ڈاکٹروں نے تو شائد بقراط کا نام بھی نہ سنا ہو. یہ اس یونان پر معلومات کا حال ہے جسے گولڈزیہری علامے موجودہ یورپی ترقی کا واحد سبب فرماتے ہیں.اس عہدنامۂ بقراط کی رو سے شریف فن طب کو مال کمانے اور زراندوزی کا ذریعہ بنانے کی ممانعت تھی اور دکھی انسانیت کے ساتھ ہمدردانہ سلوک اور ایثار و قربانی کا وعدہ کرنا پڑتا تھا.آج کا ماہر سرجن اور عام طبیب مریض کی ''مشاورتی تشخیص'' کے بعد اپنے شان دار مطب کے بیرونی کمرہ میں بیٹھی ہوئی سیکریٹری کی معرفت کسی سنگین مرض کے شکار شخص سے اس مشاورتی ملاقات کی فیس وصول کرنے کے بعد پہلے مفروضہ مکمل علاج کی لاگت کی باضابطہ اطلاع دلواتا ہے جس میں دواؤں کا خرچ شامل نہیں ہوتا.اس طلاع کے بعد مریض کو بازار کے عام خریدار کی طرح اختیار ہے کہ خصوصی ڈاکٹر کی اس دکان پر مطلوبہ قیمت زیادہ لگےتو مارکیٹ میں کسی اور دکان سے اسی طرح صحت بھی خرید لے جیسے میز کرسی اور گوشت یا لک خریدتا ہے.ایسی احادیث موجود ہیں جن میں آخرزمانہ میں کثرت مال اور افراط زرکو امت مسلمہ کا فتنہ اور قیامت کی ایک عالمی نشانی قرار دیا گیا ہے.

مسلم سائنسدانوں کی پہلوتہی

امراض اور مریضوں کی اس کثرت کا کوئی سبب ضرور ہوگا جس پر کسی ادارہ نے غور و تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی.سچ پوچھا جائے تو دنیائے علم کو فطرت کی حاکمیت کی طرف واپس لانے کی غرض سے ایسی تحقیقات اور تجزیے ان مسلمان سائنسدانوں کا حق ہیں جو غیرمبہم قرآنی حکم و ہدایت کے بموجب مادی علوم کو روحانی علوم کی سخت نگرانی میں رکھنے کے قائل ہوں.

امراض کی کثرت کا ایک بدیہی سبب نئی ادویات ہیں.ادویات کی دنیا میں ایجادی انقلابات آرہے ہیں اور انہی نئی اشتہاری دواؤں کے استعمال سے ذیلی بیماریاں اور عارضے (side-effects) پیدا ہو رہے ہیں جو کبھی کبھی لاعلاج ثابت ہوتے ہیں.کون نہیں جانتا کہ اس زمانہ میں جانوروں اور انسانوں میں ایسے ایسے امراض پیدا ہوگئے ہیں جن کا کبھی نام بھی نہیں سنا گیا تھا.یہ اطلاع بھی آثار قیامت کی ایک حدیث میں انسانوں کو دے دی گئی تھی.

دواؤں کے مضرصحت اثرات کے علاوہ بھی حسن کاری کی مصنوعات اور روزمرہ کی غذاؤں تک میں دانستہ ایسے اجزا شامل کئے جاتے ہیں جو صحت کو شدید نقصان پہنچانے والے ہوتے ہیں.مغربی ملکوں میں

آئے دن ایسے سرکاری اور نیم سرکاری اعلانات آتے رہتے ہیں جن میں حسن افزا سامان یا غذائی اشیاء کے اجزائے ترکیبی کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔کبھی خود مشہور کمپنیاں اپنی کسی مصنوعہ کو واپس لینے کا اعلان کردیتی ہیں جس کا عام اثر دیکھنے سننے میں نہیں آتا۔کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی مضر صحت ترکیبی جزو کو نام بدل کر استعمال کرلیا جاتا ہے۔اکثر یہ نئے نام عام آدمی کی سمجھ سے بالا ہوتے ہیں۔یہ لاطینی الفاظ یا انگریزی کے حروف واعداد کی شکل میں ہوتے ہیں۔

کچھ ملتی جلتی حالت تھی جب عذاب سے پہلے آل ابراہیمؑ کی شاخ بنی قطورا کے نبی حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو ہدایت کی تھی کہ دیکھو پورا ناپا کرو،خریداروں کا نقصان مت کیا کرو،سیدھی ترازو تولا کرو،لوگوں کی چیزوں میں وزن کم مت کیا کرو اور زمین پر فساد نہ پھیلاؤ(**الشعراء۲۶:۱۸۱-۱۸۳**)۔ آج جو افراد اور ادارے ان عارضوں کا سبب بن رہے ہیں تو اس لئے کہ ان کے سامنے مسند شعیبؑ خالی ہے اور اتفاقاً کوئی چھوٹا موٹا آدمی فہمائش اور تہدید کرے کہ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ اور اپنی بدعملیوں سے باز آجاؤ تو جواب اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ،لو بھلا،ایک ہم ہی تو دنیا کو سنوارنے والے ہیں(**البقرہ ۲:۱۱**/مولانا ابوالکلام آزاد۔ **ترجمان القرآن ۱:۱۷۸**)۔

بے مہار مادیات کی مضرتیں

سابق صدر امریکہ براک اوباما نے جنوری ۲۰۱۶ء کے آغاز میں ایک وفاقی قانون منظور کیا جس کے تحت امریکہ میں بننے والے مشہور عالم مارکوں کے ٹوتھ پیسٹ،ماؤتھ واش،منہ ہاتھ دھونے اور غسل کے صابن اور مردانہ و زنانہ میک اپ کی کچھ مصنوعات پر پابندی عائد کی جائے گی تاوقتیکہ وہ ''مضر'' اجزا کو ترکیب سے خارج نہ کریں۔کئی امریکی ریاستوں میں بعض نامور مارکوں کی چند مصنوعات کے خلاف پہلے ہی ایسے قانون نافذ ہو چکے ہیں۔ان قوانین کے زیر اثر ٹوتھ پیسٹ،ماؤتھ واش،ہر قسم کے صابن اور حسن کاری کے سامان بنانے والے دو ایک عالمی شہرت یافتہ اداروں نے ابلاغیہ میں اعلان کیا ہے کہ وہ اپنی مصنوعات میں متعلقہ مضر اجزا کے استعمال میں کمی کررہے ہیں:یعنی ان مضر اجزا کی مقدار کم کردی جائے گی،ان کا استعمال ترک نہیں کیا جائے گا۔کبھی کبھی یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ جب مغربی ملکوں میں کسی مصنوعہ پر سختی سے پابندی عائد کردی جاتی ہے تو موجودہ زمانہ کے ایک مروجہ عالمی تجارتی اصول کے مطابق یہ مضر اشیاء اور مرض افزا مصنوعات افریقہ اور ایشیا اور جنوبی امریکہ ملکوں میں برآمد کردی جاتی ہیں،اور اشتہاری مہموں کے ذریعہ وہاں ان کی کھپت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔وہاں نہ تو کسی کو ان اشیاء کی

معلوم اور مصدقہ مضرتوں کا کوئی اندازہ ہوتا ہے، نہ مقامی حکمراں حفاظتی قانون بنانے سے دلچسپی رکھتے ہیں۔اس عدم دلچسپی کے اسباب بتانے ضروری نہیں۔

خبروں کے مطابق اوباما قانون کے ماتحت امریکہ میں غیر قانونی قرار دیئے جانے والے مضر صحت ٹوتھ پیسٹ، ماؤتھ واش، صابنوں اور چہرے، ہاتھوں اور بدن پر استعمال کے میک اپ کی کریموں اور لوشنوں اور پاؤڈروں وغیرہ میں باریک پسے ہوئے شیشے کا پاؤڈر اور پلاسٹک کے بہت مہین دانے (microbeads) استعمال کئے جارہے ہیں جن کی کوئی خبر صارفین کو نہیں ہوتی۔ایسے اجزا کی وجہ سے ایک طرف ان اشیاء کو استعمال کرنے والوں میں کینسر کے مرض کی شرح میں اضافہ ہورہا ہے اور دوسری طرف ایک اخباری اطلاع کے مطابق نیویارک سٹیٹ میں واقع جھیل ایری (Erie) میں لاکھوں کی تعداد میں یہ مہین دانے بدرونالیوں کے ذریعہ پہنچ کر اس جھیل کے بعض حصوں میں پانی کو انسانوں اور جانوروں کے لئے ناقابل استعمال اور مچھلیوں کے لئے نقصان دہ بنا چکے ہیں۔انسانی غذا میں ان مچھلیوں کا استعمال مزید امراض پیدا کرتا ہے۔اسی جھیل ایری کا پانی نیاگرا آبشار کی صورت میں جھیل اونٹاریو میں گرتا ہے جو شرقی کینڈا اور امریکہ کی حد فاصل ہے۔پھر یہی آلودہ پانی کئی امریکی اور کینڈائی شہروں اور قصبوں سے گزرتا ہوا رود لارنس کی راہ سے بحر اطلس میں اتر جاتا ہے۔قانون تو بن گیا اور قانون بنتے رہتے ہیں، لیکن نہ جانے پچھلے کتنے برس میں بے رحم مادی علوم کے بے محابا استعمال سے انسانوں اور جانوروں کو جو نقصان پہنچ چکا ہے اس کا ازالہ نہ ہوا ہے، نہ ہوگا اور نہ کسی کو اس کی پرواہ ہے۔

یاہو نیوز پر رائٹرایجنسی کی ایک تازہ خبر (۲۴ فروری ۲۰۱۶ء) ہے کہ امریکہ کی ریاست مزوری (Missouri) کی ایک عدالت نے بچوں کے پاؤڈر اور شیمپو بنانے والی ایک مشہور عالم بین الاقوامی کمپنی پر ۷۲ ملین (سات کروڑ بیس لاکھ) ڈالر کا ہرجانہ اور جرمانہ عائد کیا ہے۔استغاثہ کے وکلا کے مطابق کمپنی پر الزام تھا کہ ایک عورت ۳۵ برس تک اس کمپنی کا بنایا ہوا کا پاؤڈر استعمال کرنے کے بعد کینسر سے مرگئی تھی کیونکہ کمپنی نے اجزائے ترکیبی کے سلسلہ میں یہ واضح نہیں کیا تھا کہ اس پاؤڈر کے ایک جزو سے کینسر ہوسکتا ہے۔عدالت نے مرنے والی کے لوحقین کو ہرجانہ کے طور پر دس ملین (ایک کروڑ) ڈالر ادا کرنے کا حکم دیا اور بطور سزا کمپنی پر ۶۲ ملین (چھ کروڑ بیس لاکھ) ڈالر کا جرمانہ عائد کیا اصل مسئلہ یہ مقدمہ یا ہرجانہ و جرمانہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ اس خبر کے مطابق بھی دواؤں اور سامان حسن کاری

میں ایسے مضر اجزا استعمال ہو رہے ہیں جن کا طویل مدتی استعمال مرض آفریں اور مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔

نفسیاتی ہیجان کے مادی اسباب

اس مادی ترقیاتی مسئلہ کا ایک اور مختلف رخ نگاہوں سے قطعی اوجھل ہے اور اس پر کوئی تحقیق ہے نہ اس سلسلہ میں کوئی قانون بنتا ہے. انسان نے زمین سے تیل نکالا، اسے صاف کر کے گھر کے چولھے اور چراغ جلا دئے، موٹر کاروں، ٹرینوں اور ہوائی جہازوں کو رواں کردیا، شہروں کو بجلی سے روشن کردیا، لیکن فضا میں اتنی آلودگی بھی پیدا کردی کہ نتیجہ میں بے شمار نئی-خاص طور سے سینہ اور تنفس کی- بیماریاں پیدا ہوگئیں.

ایک امریکی ادارہ کی میزان کے مطابق ۲۰۱۰ء میں ایک ارب سے زیادہ کاریں، بسیں اور چھوٹے، متوسط اور بھاری ٹرک دنیا بھر میں سڑکوں پر دوڑ رہے تھے. جو کاریں اور ٹرک وغیرہ کسی وجہ سے استعمال میں نہیں تھے مگر قابل استعمال تھے ان کی تعداد اس کے سوا تھی. سڑکوں پر ان گاڑیوں کی عام رفتار ۴۰ سے ۱۲۰ کیلومیٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے. یہ تمام گاڑیاں اسی تیل کے دم سے چلتی ہیں. ان کے علاوہ دنیا بھر میں ایک دن کے ۲۴ گھنٹے میں اوسطاً پچاس ہزار مسافر ٹرینیں اور مال گاڑیاں پٹریوں پر گڑگڑاتی رہتی ہیں، ان میں سے دس ہزار مسافر ٹرینیں صرف ہندستان میں ایک دن میں پٹریوں پر چلتی رہتی ہیں. ان ٹرینوں کی لمبائی پانچ مسافر ڈبوں سے بیس ڈبوں تک ہوتی ہے دو سے تین کیلومیٹر لمبی ہزاروں مال گاڑیاں ہزار ہا ٹن سامان لادے روزانہ زمین کے سینے پر دندناتی رہتی ہیں. یہ بھی سب اسی تیل کا کرشمہ ہے۔

تیل کے استعمال سے پیدا ہونے والی فضائی آلائش میں اضافہ کے علاوہ یہ کاریں، بسیں ٹرک اور ٹرینیں سطح زمین پر بظاہر غیر محسوس اور خفیف اضطراب اور ارتعاش پیدا کرتی ہیں. ایک اور نکتہ جو علمی تحقیق و تبصرہ اور طبیعیاتی گوشواروں کا محتاج ہے یہ کہ اندازہ کے مطابق عہد رواں میں زلزلوں کا سالانہ وقوع بڑھ گیا ہے. کچھ عرصہ پہلے ایک خبر یہ بھی آئی تھی کہ اپنے محور پر زمین کے جھکاؤ کے زاویہ میں سالانہ چار چھ سینٹی میٹر کا فرق پڑ رہا ہے. ممکن ہے سطح زمین اور جوف زمین میں بڑھتا ہوا یہی اضطراب اور غیر قدرتی اضافی حرکت زمین کے محوری زاویہ میں فرق اور زلزلوں کی کثرت کا ایک بڑا سبب ہو. قیامت کے قریب یوں بھی متواتر زلزلوں کی کثرت کی حدیثی پیشگوئی موجود ہے (جامع ترمذی ۱:۸۰۹/ ح ۲۰۳۳).

ہمہ قسم زمینی گاڑیوں کا قصہ الگ رہا. سطح زمین سے بلند ہوں تو ایک اندازہ کے مطابق وقت کے کسی بھی ایک لمحہ میں اوسطاً دس ہزار مسافر ہوائی جہاز سات سو سے نوسو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے فضا

میں اڑتے رہتے ہیں یعنی ہر ۲۴ گھنٹے کے کسی بھی لمحہ میں فضاء میں موجود طیاروں کی اس تعداد میں کوئی نمایاں فرق نہیں پڑتا۔یہ طیارے زمین پر ہوا کے غلاف میں مسلسل تموج پیدا کرتے ہیں۔یہ طیارے ہوا کے قدرتی بہاؤ میں خلل ڈالتے ہوں تو کیا حیرت۔یہ تو مسافر طیاروں کا ذکر ہوا۔سامان بردار بڑے طیارے اور ۱۹۳۹ء سے آج تک مسلسل بلا انقطاع جاری بڑی چھوٹی جنگوں میں استعمال ہونے والے فوجی طیارے ان کے علاوہ ہیں۔ان ہزاروں چھوٹے بڑے ہوائی جہازوں کے ساتھ، ہیلی کوپٹر، نیز جارحیت کے شکار اور جنگوں میں مبتلا ملکوں میں دن رات اڑنے والے ڈرون اور ہوائی کمپیوٹری بم فضائے ارضی میں مزید ارتعاش پیدا کرتے رہتے ہیں۔تحقیق تو نہیں ہے مگر قیاس ہے کہ موجودہ زمانہ میں خصوصاً امریکہ میں آنے والے گردباد اب طوفانوں کا ایک سبب زمین کے نظام ہوا میں ہر لمحہ جاری یہ فساد بھی ہوسکتا ہے۔یاد رہے دنیا میں سب سے زیادہ ہوائی سفر امریکہ میں کیا جاتا ہے اور سب سے زیادہ طوفان بادوباراں (tornadoes اور hurricanes) بھی اسی سرزمین پر آتے ہیں۔

ہوا کو طیش میں لانے والے کام

زمینی فضا میں فساد کا ایک اور ذریعہ بھی پیش نظر رہے۔جہاں ایک طرف برق رفتار کاریں، ٹرک، ٹرینیں اور ہوائی جہاز ہوا کو بے قرار کر رہے ہیں ٹھیک انہیں لمحات میں دنیا بھر میں لاکھوں ریڈیو سٹیشن، ٹیلیوژن سٹیشن، کروڑوں زمینی ٹیلیفون، سیل فون اور انٹرنیٹ/وائی-فائی کے مواصلاتی نظام فضائے عالم کو ریڈیائی اور ٹیلیوائی صوتی اور صوری لہروں سے متاثر کر رہے ہیں اور یہ کام بھی چوبیس گھنٹے مدام جاری رہتا ہے۔ان تمام مادی حرکات سے ہوا میں پیدا ہونے والا مقناطیسی طوفانی تموج انسانوں کو کس طرح متاثر کر رہا ہے اس کا کوئی اندازہ کوئی سائنسداں پیش نہیں کرتا۔کبھی اس کا کچھ ذکر بھی ہو تو فقط ماہرین کے زیر مطالعہ آنے والے خصوصی پیشہ ورانہ مجلّات کی تکنیکی زبان سے باہر نہیں آتا کہ عام آدمی کو ان باتوں کی خبر ہو۔اور خبر ہو بھی جائے تو وہ بیچارہ کیا سمجھ لے گا اور کیا کر لے گا۔

ایک قدرتی نظام کے مطابق ہزاروں سال سے ہوائیں اپنے اپنے متعین راستوں پر چلتے ہوئے ساری دنیا کے بر و بحر کو پیام نشاط دیتی رہتی ہیں۔انہیں تکلیف پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے کسی جاندار کو بار بار کچوکے لگانا۔حضرت ابیؓ ابن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے دوٹوک انداز میں ہوا کو برا کہنے سے روکا ہے۔ لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ = ہوا کو گالی مت دو (جامع ترمذی ۲:۶۸/ح ۲۷)۔جسے برا کہنے کی ممانعت ہو اسے ایذا پہنچانا تو اور بھی ناپسندیدہ ہوا۔پھر پلٹ کر اگر ہوا طیش میں آجائے تو کس کے بس

میں ہے کہ اس سے پناہ پائے۔غصہ میں بھری ہوئی ہوا ہی تو تھی جس نے قوم عاد کو اکھاڑ پھینکا تھا۔اسی باد صرصر نے غزوۂ خندق کے موقعہ پر مشرک اتحادیوں کو میدان جنگ سے فرار پر مجبور کر دیا تھا۔

انسان پرستاروں کے اثرات کی کہانیاں نجومی بناتے ہیں،مگر کسی ذی شعور شخص کو انسانی مصائب کی وجوہات کھلی آنکھوں نظر نہیں آتیں۔مسلمانوں میں ماحولیات پر کام تو کجا فضا کی صحت پر تشویش بھی نہیں۔بعض لوگ اس بات کو فخریہ بیان کرتے ہیں کہ ایرانی امریکی عالم ڈاکٹر حسین نصر دنیا میں واحد مسلمان ہیں جو کچھ ۲۵ برس سے ماحولیات کے موضوع پر اسلامی نقطۂ نظر سے لکھ بھی رہے ہیں اور محاضرات بھی دے رہے ہیں،مگر کیا یہ بات واقعی قابل فخر ہے کہ دوارب مسلمانوں میں فقط ایک شخص نے ماحولیات اور فضائی آلائش پر اسلامی اور قرآنی علوم کی اساس پر کچھ تحقیق کی ہے۔جنوبی ہند کی ریاست کرناٹک کے ساحلی قصبہ کوڈی میں ایک مسجد ''سبز اصولوں'' پر تعمیر ہوئی ہے۔جن دو انجنئروں کو یہ مسجد ڈزائن کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ دونوں ہندو ہیں: سندیپ اور منوج۔

عوارض کا ایک سادہ سا تجربہ

سطح زمین اور فضاء میں جاری اس اضطراب وارتعاش ولرزش کا لازمی اثر زمین پر بسنے والے تمام انسانوں اور دیگر جانداروں کے جسموں پر پڑتا رہتا ہے جو فضائی کثافت اور آلائش (pollution) کے ساتھ مل کر بلاشبہ جسمانی اور نفسیاتی عوارض کا ایک بڑا سبب ہے۔ایک سادہ سا تجربہ اس بات کو عام آدمی کے لئے قابل فہم بنا سکتا ہے۔اپنی بائیں ہتھیلی کو میز پر رکھ کر اس کی پشت پر دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے تھپتھپانے کے انداز میں ایک گھنٹہ تک مسلسل ہلکی ضربیں لگائیے۔ایک گھنٹہ کے بعد بائیں ہتھیلی کی پشت کا جائزہ لیجئے۔اس کی جلد پر سرخی آگئی ہوگی،ہلکا سا درد بھی محسوس ہوگا اور خود دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی حالت بھی غیر ہوگی،ان میں اور کلائی میں اور شانہ کچھ درد پیدا ہو چکا ہوگا۔اس عمل کے نفسیاتی نتائج اس کے علاوہ ہوں گے۔ویسے مشورہ یہی ہے کہ یہ تجربہ نہ کیا جائے۔خود کو تکلیف دینا تہذیب اور اسلام دونوں کے خلاف ہے۔

عام مشاہدہ ہے کہ اس دور کے عالمی معاشرہ میں دماغی کرب،ذہنی دباؤ،نفسیاتی الجھن،بے چینی اور بے اطمینانی،بے سکونی،تشنج،رعشہ،حزن،ہول،مالیخولیا،بیزاری،افسردگی،کشیدگی،تناؤ،ہیجان،عدم برداشت،وحشت،خشونت،غصہ،بے رحمی،دہشت گردی،جارحیت،تشدد،حیوانی جنسی جنون،بے مقصد اور انسان کش جنگوں میں فوجیوں کی درندگی،وحشت خیز،نفرت انگیز اور انسانیت سوز سیاسی بیانات وغیرہ

جیسی غیر فطری کیفیات میں بے تحاشا اضافہ ہوا ہے .انیسویں صدی میں، اور بیسویں صدی کے آغاز میں پہلی عالمی جنگ سے پہلے دنیا کی یہ کیفیت نہیں تھی .ماضی کا میدان جنگ آج کے مصروف شہروں سے کہیں زیادہ امن کا نظارہ پیش کرتا تھا .اکثر و بیشتر ان مریضانہ کیفیات کا شکار ان ملکوں کے لوگ ہیں جہاں انیسویں صدی عیسوی میں صنعتی انقلاب آیا تھا اور جہاں اس انقلاب کے مادی فائدے سب سے زیادہ نمایاں ہوئے ہیں.

یہ سب علم عناصر کے بے محابا استعمال کے نقصانات یا مضر اثرات ہیں اور آج روز کا مشاہدہ ہیں. بگڑی ہوئی اس صورت حال میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں .یہ بات قابل اطمینان ہے یا قابل مذمت؟

روحانی علوم کی حاکمیت

اسلامی تہذیبی اصول سے عہد رواں کے عدم تہذیب اور وحشت کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ مادی علوم پر کوئی حاکمانہ گرفت اور بالائی نگرانی باقی نہیں رہی قرآن حکیم کا دوٹوک فیصلہ (البقرہ ۲: ۳۰و ۳۵) یہ ہے کہ مادی علوم پر روحانی علوم کی حاکمیت ہی انہیں ضرر رسانی اور عام فساد پھیلانے سے روکے رکھتی ہے .یہ حاکمیت ختم کردی جائے تو مادی علوم اس بندر کے ہاتھ کا استرا بن جاتے ہیں جو بے چارہ نہیں جانتا کہ اس کی جان کو کیسا خطرہ لاگو ہے.

معاشرہ اگر دوسروں کو ایذا پہنچانے پر استوار ہو تو قرآنی اصول تاریخ کی رو سے وہ بے تہذیبی ہے، اور جب معاشرہ خود اپنے لئے خطرناک بن جائے تو تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے معاشروں کو بے تہذیب قوم کے ساتھ تباہ یا معدوم یا معزول کردیا جاتا ہے .ایسا بارہا ہو چکا ہے .اس زاویۂ نظر سے قوم نوح، عاد و ثمود،، شداد اور فرعون کی تاریخ کا مطالعہ حیرت انگیز حقائق کی نقاب کشائی کرتا ہے اور انکشاف کرتا ہے کہ قرآن حکیم میں ان معدوم اور معزول اقوام کے تفصیلی ذکر کو کیوں اتنی اہمیت دی گئی ہے .ان کے علاوہ نمرودی بابلونیہ اور فرعونی مصر، یونان و روم، فارس و چین اور عہد حاضر کی سلطنت برطانیہ کے انحطاط، زوال اور خاتمہ کی داستانیں سوچ کو متحرک کرنے کے لئے کافی ہیں.

چنانچہ تہذیب کی پہلی شرط یہ ہے کہ معاشرہ انسانوں کو ایذا پہنچانے پر قائم نہ ہو، بلکہ عوام الناس کے لئے مفید و نافع ہو .بالکل یہی اسلام کی عمرانی تعریف ہے اور یہی ملت اسلامیہ ہے یعنی وہ مثبت طریقۂ حیات جس پر اسلام کے پیروؤں کا میل اور جھکاؤ ہوتا ہے .رسولؐ اللہ کا فرمان ہے کہ مومن وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگ محفوظ ہوں (جامع ترمذی ۲: ۲۲۰-۲۲۱/ح ۵۲۳-۵۲۴).

دوسرے انسانوں کو ایذا پہنچانے کا تعلق معصیت سے ہے اور معصیت کفر کی علامات میں سے ہے اور کفر سے تہذیب کا تعلق نہیں ہوتا۔ اہل کفر تمدن بنا سکتے ہیں، فلک بوس اور ایک ایک میل اونچی عمارتیں زمین پر اٹھا سکتے ہیں۔ ہر دور میں یہ کام عموماً اہل کفر ہی نے کیا ہے۔ مگر وہ تہذیب بنانے پر قادر نہیں ہوتے۔ یعنی انسان میں کافرانہ خصائل جس قدر قوی ہوں گے وہ اتنا ہی ظالم اور موذی یعنی غیر مہذب ہوگا، خواہ اس کا تمدن ایک ایک میل اونچی عمارتوں پر قائم ہو۔ اس کے برعکس ایمانی خصائل جس قدر قوی ہوں گے انسان اتنا ہی رحم دل، بردبار، ہمدرد اور مخلوقات کو نفع پہنچانے والا، یعنی مہذب ثابت ہوگا، خواہ اس کی زندگی سادہ اور تکلفات سے بری ہو۔ اسلامی تہذیب کی مثال یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کو مسلم و ذمی انسانوں ہی کا نہیں بلکہ فرات کے کنارے بیٹھی ہوئی بکری کی پیاس بجھانے اور بھوک مٹانے کا فکر بھی تھا (امام بیہقی۔ شعب الایمان ۶:۴۳)۔ دردمندانہ تہذیب کی یہ روایت حضرت عمرؓ پر ختم نہیں ہوگئی تھی۔

کلمہ طیبہ کا انقلابی اثر

یہ کیفیت عام انسانوں میں مطلوب بھی ہے اور اسے حاصل کرنے کا گر بھی راز نہیں رکھا گیا۔ اس کی کلید کلمۂ طیبہ کی شکل میں دنیا کے سارے انسانوں کو دے دی گئی ہے۔ کلمہ طیبہ کے ۲۴ حروف ایک سادہ بیان نہیں، بلکہ نہایت عظیم شخصی نفسیاتی انقلاب کا نسخہ ہیں۔ دل کے یقین اور دماغ کی تائید کے ساتھ ایک بار ان حروف کے مجموعہ کا زبان سے ادا ہونا آدمی کی شخصیت کو بالکل بدل دیتا ہے، خواہ اس شخص کو اس روحانی اور نفسیاتی تبدیلی کا احساس نہ ہو۔ اس کا پہلا ثبوت رسولؐ اللہ کا یہ فرمان ہے کہ جس نے ایک بار صدق دل سے کلمہ طیبہ پڑھ لیا وہ جنت میں داخل ہوگا (عن حضرت ابو موسی اشعری۔ ع: مسند امام احمد ابن حنبل ۳۲:۴۶۵/ح ۱۹۶۸۹ عن حضرت معاذ ابن جبل۔ ر: مسند امام احمد ابن حنبل ۱۰:۳۳۶/ح ۲۲۳۵۳)۔ ایک اور حدیث میں کلمہ طیبہ کو جنت میں داخلہ کا سب سے بلند دروازہ کہا گیا ہے (جامع ترمذی ۲:۲۱۶/ح ۵۱۰)۔ یہ معمولی بیان نہیں ہے۔ اس قول رسول کی عمرانی اہمیت آسمان کی طرح بلند، کوہ اُحد کی طرح محکم اور علمی تجزیہ کی متقاضی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کتنے بھی دنیا داری میں پڑ جائیں اور دینی واجبات سے کیسے ہی غافل ہو جائیں، ان کا ایک بار کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھ لینا ان کی فطرت کو اصل تکوینی ربانی نسخہ پر مرتب کرتا ہے اور اس پر قائم رکھتا ہے کہ جب شعور ہو جائے وہ اپنی اس عمرانی اصل کی طرف پلٹ آئے۔ اصطلاح میں اسے توبہ کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان مزاجاً ایسی ایجادات سے پرہیز کرتے ہیں جو

مضر ہوں اور جن سے رعونت ،نفسانیت ،تکبر، سرکشی، ہوسِ زر و مال ،نفرت، خونریزی جیسی منفی صفات کو فروغ ہوتا ہے .سادہ لوح مسلمان فساد کا شکار ہوسکتا ہے، ہوتا رہا ہے، ہو رہا ہے .البتہ ایمان کی کمزور حالت میں بھی وہ کسی مروجہ فساد کا پیرو تو ہوسکتا ہے، کسی نئے فساد کا بانی بننے کی صلاحیت اس میں نہیں ہوتی .کیا جانے جو یہی وجہ ہو کہ مغربی مما لک میں آباد نہایت ذکی و ذہین اور شریف و متین مسلم سائنسداں لاشعوری طور پر اپنے ہم چشموں کے ہمساز نہیں ہوتے .کافی عرصہ ہوا ایک رپورٹ آئی تھی کہ امریکہ کی خلائی ایجنسی ناسا (Nasa) میں کم و بیش تین ہزار مسلم سائنسداں برسر کار ہیں .جس بات کی خبر بھی نہ بنی وہ یہ کہ امریکی خلائی تحقیقات میں آج تک کسی ایک بھی مسلم سائنسداں کا نام یا علمی حوالہ دیکھنے میں نہیں آیا .اس کا سبب تعصب کے علاوہ بھی کچھ ہوسکتا ہے .

مسلم سائنسی رویہ کا نمونہ

بلاشبہ یہ ایک اجتماعی رویہ ہے .اس رویہ کی مثالیں عہدِ وسطیٰ کے مسلمان سائنسدانوں کی ایجادات میں مل جاتی ہیں جن کا موازنہ عہد جدید کی اکثر ایجادات سے کیا جائے تو فرق کھل کر سامنے آجاتا ہے .ابن خلکان (۱۲۱۱-۱۲۸۲ء) کی سوانحی موسوعہ **وفیات الاعیان** سے امریکی سائنسداں مورخ جارج سارٹن (۱۸۸۴-۱۹۵۶ء) کی **سائنس کی تاریخ** تک جہاں جہاں تاریخ میں مسلمان سائنسدانوں کا ذکر آیا ہے تو ایک عجیب حقیقت سامنے آتی ہے کہ فوجی اسلحہ اور آلات قتل و غارت کی ایجادوں پر مسلم سائنسدانوں کی خصوصی توجہ نہ ہوئی اور ان کی اکثر ایجادات کا تعلق عام طور سے منافع للناس سے تھا .یہ حقیقت آج کے سائنسی رویہ سے میل نہیں کھاتی .مسلمان سائنسداں زندگی کے نقیب تھے، موت کے ہرکارے نہیں .ان کو پتا تھا کہ جہاد معاشرتی احوال کی اصلاح کی کوشش کا نام ہے، قتل عام اور نسل کشی کا ترقی یافتہ سائنسی نسخہ نہیں ہے .

مسلمانوں کے ملی رویہ کے سلسلہ میں قرآن حکیم کا بیان کافی ہے، جہاں کہا گیا ہے: وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ [ط] هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ [ط] مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ [ط] هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ [۵] مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ [ج] فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ [ط] (الحج ۲۲:۷۸) = اللہ کی خاطر جد و جہد کرتے رہو جیسا کہ اس کی خاطر جہاد کا حق ہے .اس نے تمہیں (دیگر امتوں سے) ممتاز کیا ہے اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر (ہمیشہ) قائم رہو .اس (اللہ) نے تمہارا لقب

مسلمان رکھا ہے (نزول قرآن سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی، تا کہ تمہارے (قابل شہادت اور معتبر ہونے کے) حق میں رسول اللہ گواہ ہوں اور تم تمام انسانوں پر گواہ ہو سوتم لوگ نماز کی پابندی رکھو، زکوۃ دیتے رہو اور مضبوطی کے ساتھ اللہ سے وابستہ رہو۔

اطاعت قانون کی فطری روایت

اس آیت مبارکہ میں انسانی فطرت کے تکوینی اصول کا علم دیا گیا ہے کہ مسلمان اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی ملت پر ہیں یعنی ہر معاملہ میں اللہ کی غیر مشروط حکم بردار انسانی جماعت کے طور پر منتخب کئے گئے ہیں۔اسی کا نام اطاعت ہے۔اس طویل آیت کی تفسیر میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں اطاعت کا مادہ اس لئے زیادہ رکھا ہے کہ وہ اس کے ذریعہ کمالات حاصل کریں جس سے دنیا میں شرف و امتیاز حاصل ہونے کے علاوہ آخرت میں بھی ان کا بڑا اشرف ظاہر ہو (بیـان القـرآن ۷۱۵)۔چنانچہ اسلامی اصول سے خود مادیات میں بھی حصول کمال اور ارتقاء کا انحصار تجربہ گاہوں کے آلات اور کیمیاوی اجزا کی فراہمی سے زیادہ قانون کی مکمل اطاعت پر ہے۔امام ابن جریر طبریؒ (جامع البیان ۱۸:۶۸۷) نے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مراد نماز میں اطاعت اور تواضع ہے اور یہی فلاح کی ضمانت ہے۔امام بغویؒ (معـالـم التنزیل ۵:۴۰۲) کا قول ہے کہ آیت میں جہاد سے مراد خود اپنی اصلاح ہے پھر چاہے کوئی اسے برا ہی سمجھے۔مزید یہاں حضرت سُدّیؒ کا قول دیا ہے کہ جہاد کے معنی اطاعت ہیں، یعنی حکم عدولی اور بغاوت (معاصی) سے اجتناب۔امام ابوالحسن علی الواحدیؒ (الوسیط فی تفسیر القرآن المجید ۳:۲۸۱) نے بھی سدیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اکثر مفسرین کا اتفاق اس پر ہے کہ حـق جهاده سے مراد تمام اعمال میں اللہ کی اطاعت ہے۔امام ابوالحسن ماوردیؒ تفسیر (نکت والعیون ۴:۴۲) میں لکھتے ہیں کہ "تمہارے باپ ابراہیم کی ملت" سے مراد عمل خیر ہے کہ یہی ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

سورہ العصر کی تفسیر میں شیخ عبدالحق حقانیؒ (فتح المنان / تـفسیـر حقانی ۸:۲۱۶) کہتے ہیں کہ انسان "اس عمر چند روزہ میں اگر نفع حاصل کرنا چاہے اور نقصان سے محفوظ رہنا چاہے۔۔۔(تو) اول اپنی حیات میں کمال حاصل کرے اور دوم یہ کہ مرنے کے بعد بھی حسنات اور باقیات کا سلسلہ چھوڑ جائے۔" اسلامی تاریخِ تہذیب ثابت کرتی ہے کہ مادی امور اس کمال سے خارج نہیں ہیں، اگرچہ اس کی شرطیں سخت ہیں۔

کمال کے سلسلہ میں شیخ عبدالحق حقانیؒ (فتح المنان /تفسیر حقانی ۵:۲۵۳) یہ بھی لکھتے ہیں کہ انسانوں کے ''کمالات اپنے گھر کے نہیں (بلکہ یہ) بزرگی اللہ کی عطا کی ہوئی ہے''۔گویا جس طرح خود علم اللہ کی خاص رحمت کے سوا کچھ نہیں ہے اسی طرح مادیات اور روحانیات میں کمال بھی اللہ کی دین ہے،انسان کی ذات سے وابستہ نہیں ہے۔علم کسبی ہوتا ہے؛ کمال وہبی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر حکیم ابن سیناؒ، ہر سائنسداں عبدالقدیر خان، ہر عالم ابوحنیفہؒ کے درجہ کمال کو کیوں نہیں پہنچتا۔

یہاں ابن خلدون کی توضیح یاد آتی ہے کہ اعلیٰ علوم دراصل کمال حاصل کرنے کا زینہ ہیں اور تمام انسانوں پر علمی کمال حاصل کرنا واجب نہیں۔البتہ عام لوگ اتنا علم ضرور حاصل کرلیں جس سے دنیا وآخرت میں نقصان سے محفوظ رہیں اور رزق حلال کی ضمانت انہیں حاصل ہو جائے۔مادی علوم کے سلسلہ میں یہ خلدونی اصول کینڈا اور امریکہ میں تدریس و سند کے سلسلہ میں تعلیمی اقتصادیات (educational economy) کے عنوان سے رائج ہے۔جس کے تحت طلبہ کی ذہنی استعداد اور تعلیمی ذوق ومعیار کا اندازہ سکولوں کی آٹھویں جماعت میں کرکے یونیورسٹیوں میں جانے کے اہل طلبہ وطالبات کی الگ درجہ بندی کردی جاتی ہے اور باقی طلبہ کی اکثریت کو چھوٹی حرفتوں، کاریگریوں اور خدمات عامہ کی تربیت کے زمرہ میں ڈال دیا جاتا ہے کہ انہیں کسی میدان علم میں اختصاص اور کمال کی حاجت نہیں ہے۔

علمی تسلسل کا ابتکاری قانون

مسلمانوں کا یہ عمرانی رویہ ایمان کی حالت میں پیدا ہونے والا ایک فطری تسلسل ہے جس کا اشارہ رسول اللہ کے ارشادات میں موجود ہے۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر آیت اکمال واتمام ورضا (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [ط]- المائدہ ۵:۳= آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کردیا، اور میں نے اپنی نعمت تم پر تام کردی؛ اور میں نے اسلام کو تمہارے دین کے طور پر پسند کرلیا) کے نزول کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریبا روزانہ اہم خطبات ارشاد فرمائے تھے۔ان خطبات میں جہاں ربانی اصول وفرامین کے مطابق مہذب معاشروں کے قیام کے کلیات واضح فرمائے وہاں ساتھ ہی امت کو حکم دیا کہ ۲۳ سال کی مدت میں نازل ہونے والی تمام آیتیں اور ساری سنتیں قیامت تک ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل کی جاتی رہیں (ابن سعدؒ۔ طبقات

الــــکبـــــریٰ ۱:۳۹۲). یہ فقط علم کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کا حکم نہیں تھا. یہ کام تو دنیا کی ساری یونیورسٹیوں، کالجوں، سکولوں اور ٹیوشن گھروں میں بھی پیسوں کے عوض ہورہا ہے. یہ دراصل امت میں ایک خاص مزاج پیدا کرنے، خاص عادت کو پروان چڑھانے اور خاص تہذیبی نظام قائم کرنے کا حکم تھا.

بزرگ صحابہ کو احساس ہو چلا تھا کہ اس آخری آیت مبارکہ میں امت کو ایک بھاری ذمہ داری دی گئی ہے. حجۃ الوداع کے اس عظیم اجتماع کے ۸۱ دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمالیا اور دین و دنیا کے تمام امور کی نگہداشت اپنے بعد بہترین انسانوں کی بہترین جماعت کے حوالہ کردی تھی. اسی ذمہ داری کے احساس نے صحابہ کی ایک جماعت کو سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع کیا جہاں دین و دنیا کے امور کی نگرانی اور دنیا بھر میں اللہ کے قانون کے نفاذ کا نظام بالاتفاق قائم کیا گیا اور اسی سے فقہ اسلامی کا اساسی کلیہ اجماع امت طے ہوا. اس طرح اس عمرانی نظم کو ایک محکم ادارہ بنادیا گیا تاکہ قیامت تک آنے والی نسلوں کو ایک علمی ترتیب اور عملی تمرین کے ذریعہ قوانین الٰہی اور فرمودات رسولؐ سے مربوط و متواصل رکھنے کی ضمانت حاصل ہو، رسولؐ اللہ کے حکم کی تعمیل میں فروگزاشت کا اندیشہ نہ رہے اور دنیا میں ایک بہترین اور قانون کا پابند، اللہ کی اطاعت پر مبنی معاشرہ مرتب کردیا جائے. چنانچہ اسی دن سے صحابہ نے تابعین کی تربیت شروع کی اور جو علم رسول اللہ سے حاصل کیا تھا اسے ایک سے دوسری نسل میں اس شرط کے ساتھ منتقل کرنے کا نظام قائم کیا کہ حکم رسول کے مطابق اس امانت کو وہ اپنے بعد آنے والی ہر نئی نسل کو قیامت تک سونپتے چلے جائیں گے. اسلام کی پہلی تین نسلوں نے یہ کام جس ہوش مندی، دیانت داری اور خوش اسلوبی سے کیا اس کی دوسری مثال کسی اور امت نے پیش نہیں کی. کیوں نہ ہو حضرت عمرانؓ ابن حصین سے روایت ہے کہ ایک موقعہ پر رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا: خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ =میرے زمانہ کے لوگ (صحابہ) سب سے بہتر ہیں، پھر ان کے بعد والے (تابعین)، پھر ان کے بعد والے (تبع تابعین) (جامع ترمذی ۲:۵۲/ح ۱۰۰).

حجۃ الوداع کا عمرانی فیضان

غیر منقطع علمی تسلسل کی یہ حدیث سرسری نظر سے پڑھ لینے یا بیان کردینے کے لئے نہیں ہے. دنیا کی تاریخ میں پہلی بار ایک مثالی امت کو نسل در نسل مسلسل اور مربوط روحانی علم سے جوڑ دیا گیا تھا کہ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور جب تک اسلام اس زمین پر زندہ ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا. آج ہندستان کے

مولانا محمد اسلم قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، یا پاکستان کے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا طارق جمیل، یا حجاز کے مولانا محمد ہشیم کیرانوی مکی، مولانا عبدالرحمن مظاہری، یا انگلستان کے مولانا یوسف موتالا، مولانا عبدالرحیم لمبادا، شیخ عبدالحکیم مراد سابق ٹموتھی ونٹر، مولانا محمد اکرم ندوی، یا جنوبی افریقہ کے مولانا سلیمان مُولا، مولانا عبدالرحیم خان، مولانا فرید الحق، یا ملیشیا کے سید محمد نقیب العطاس، یا بوسنیا کے مفتی مصطفیٰ سیریچ، مفتی حسین قرہ زووِچ، یا کینڈا کے مولانا محمد آصف قاسمی، مولانا نورالدین غوری، مولانا محمد عمر صوبیدار، مولانا محمد بدات، یا امریکہ کے شیخ زید شاکر، شیخ حمزہ یوسف ہانسن سے پوچھا جائے تو وہ سب اپنے اپنے علم کی سند اپنے راست اساتذہ کے حوالوں سے تبع تابعین، تابعین اور صحابہ کے غیر منقطع واسطوں سے رسولؐ اللہ تک اور یہی نہیں بلکہ حفاظ تو الفاظ قرآن اور تجوید و قرأت کی سند رسولؐ اللہ کے بعد حضرت جبریلؑ کے واسطہ سے خود اللہ تبارک و تعالیٰ تک پہنچا دیتے ہیں۔

جس قوم میں علم کا یہ تسلسل پایا جائے گا وہ لامحالہ قانون کی پاسداری میں امتیاز حاصل کرلے گی کہ یہ اس کا علمی ذوق اور اس کی طبیعت ثانیہ ہے۔ چنانچہ قانون کی اطاعت مسلمان کی فطرت کا جزو بن گئی جو ایمانی کیفیت کا نتیجہ ہے۔ اس ایمانی کیفیت کا اضمحلال فطرت سے مسلمان کی بغاوت میں ابھر آتا ہے۔ علم کے تسلسل کا یہ نظام عجیب وغریب ہے جس کی کوئی مثال دنیا میں یا دنیا کی کسی اور تہذیب میں نہ دیکھی گئی نہ پائی جاتی ہے۔ مادیات اساس جدید مغربی طرز تعلیم میں علم کی سند مسلسل اور متصل نہیں ہوتی بلکہ ایک ہی نسل میں بار بار ٹوٹ جاتی ہے اور کسی شخص کے ایک استاد سے اگلی نسل کے استاد کا تعلق تو کجا اکثر تعارف تک نہیں ہوتا۔ اسی لئے اس نظام میں قانون کی اطاعت کا تعلق ذاتی سعادت مندی سے ہے، فطرت کے تقاضے اور علمی تربیت سے نہیں۔

تسلسل علم کی حدیث کی پیروی میں بزرگ صحابہ نے مدارس اور جامعات کا کردار ادا کرنا شروع کیا۔ وہ سنت جو مکہ مکرمہ میں دار ارقم ابن ابی ارقم میں اور پھر مدینہ منورہ میں صفہ پر قائم ہوئی تھی پہلے ہی وہلہ میں مدینہ سے مکہ، کوفہ، بصرہ، دمشق اور فسطاط تک پہنچ گئی، اور وہاں سے بڑھ کر اصفہان، رے، مرو، نیشاپور، بخارا، سمرقند، ہرات، بلخ، ملتان، دہلی، لاہور اور حیدرآباد تک اور دوسری جانب بغداد، بیروت، قیروان، ٹمبکٹو، تلمسان، مراکش، فاس، المیرہ، غرناطہ، قرطبہ، اشبیلیہ، برشلونہ اور پلرمو تک پھیل گئی۔ سچ یہ ہے کہ اہل یورپ نے علم کے اس انقلاب پر سیاسی اور صلیبی تعصب کی روک نہ لگا دی ہوتی تو

آٹھویں نویں صدیوں ہی میں یورپ کی نشاۃ الثانیہ ہو جاتی مگر علم حقیقی تو عظیم دریا ہے جو اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے .آج علم کے یہ دھارے انگلستان، بیلجئم، ہالینڈ، فرانس، اٹلی، جرمنی، کینڈا، امریکہ، پنامہ، آسٹریلیا، نیوزیلینڈوغیرہ کی زمینوں کو سیراب کر رہے ہیں، مگر سیلاب بھی لا رہے ہیں.

تہذیبِ علم میں صلاح وفساد کا فرق

حاصل کلام یہ کہ عہد صحابہ ہی سے یہ التزام نظر آتا ہے کہ دنیا کو تہذیب اعتدال دینے کے لئے اول معاشرہ کو علوم ربانی یا علوم روحانی پر مستحکم کرنا ضروری ہے تاکہ جب مادی علوم پر توجہ کا وقت آئے تو قوم کے اہل علم ہی نہیں عامۃ الناس بھی اس روحانی مدار سے باہر نہ نکلیں اور عالم انسانیت کے لئے سودمند رہیں.اس کے ساتھ دنیا کو تہذیب اعتدال کے واسطے تیار کرنے کی خاطر اطراف و جوانب میں اسلام کے دائمی پیغام کو عام کرنے کی مہم پر توجہ دی جائے.صحابہ نے یہ فطری اصول قرآن حکیم سے اخذ کیا تھا جہاں دوٹوک انداز میں انسانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جب زمین پر اصلاح حال اور معاملات کی درستی کردی جائے تو اس پر فساد مت پھیلانا، کیونکہ اگر تم ایمان والے ہو تو یہی تمہارے لئے نفع مند ہے(الاعـراف ۷:۸۵)،اور اگر تم اصلاح کی جدوجہد سے کنارہ کش ہو گئے تو احتمال ہے کہ زمین پر فساد برپا کردو گے، باہمی قرابت داریوں کو توڑ دو گے اور اللہ کی رحمت (یعنی سلطہ واقتدار کی دولت) سے محروم کردئے جاؤگے (محمد ۴۷:۲۲-۲۳) .یہ قرآنی شرح ہے اس ربانی اصول کی جو زبور میں بھی لکھ دی گئی تھی کہ زمین کے وارث اللہ کے حکم بردار بندے ہی ہوتے ہیں(الانبیاء۲۱:۱۰۵).

ان اصول کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد(قـرآن کـا قـانـون عـروج و زوال ۱۰۰-۱۰۱) نے ایک بار لکھا تھا کہ ’’انہی لوگوں کے حصہ میں ملک کی فرماں پزیری آتی ہے جو نیک اور صالح ہوتے ہیں.صلح کے معنی سنوارنے کے ہیں ؛فساد کے معنی بگڑنے اور بگاڑنے کے ہیں.صالح انسان وہ ہے جو اپنے کو سنوار لیتا ہے اور دوسروں میں سنورنے کی استعداد پیدا کرتا ہے. یہی حقیقت بدعملی کی ہے. پس قانون یہ ہوا کہ زمین کی وراثت سنورنے اور سنوارنے والوں کو ملتی ہے. چنانچہ یہاں جو کچھ بھی ہے حق اور باطل کی آویزش ہے .لہٰذا بقاءانفع کا قانون ہے جس کے لئے اصلح کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے. یہاں وہ چیز باقی رہ سکتی ہے.جس میں نفع ہو کیونکہ یہی اللہ کی رحمت کا تقاضا ہے.جس میں نفع نہ ہو وہ نہیں ٹھہر سکتی.‘‘

اس بیان پر نکتہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ بے شمار لوگ دنیا بھر میں حاکم بنے بیٹھے ہیں اگر چہ اس تعریف پر پورے نہیں اترتے تو پہلی بات تو یہ کہ وراثت تو کسی کا حق ہوتی ہے مگر اس پر کوئی غیر مستحق غاصبانہ قبضہ کر لے تو اسے وارث نہیں مانا جاتا۔ دوسرے یہ کہ علامات قیامت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گھٹیا، نااہل، بدکار اور رذیل لوگ قوموں کے نمائندے اور قائد بن بیٹھیں گے (عن حضرت علیؓ و حضرت ابو ہریرہؓ: جامع ترمذی ۴۸:۲/ ح ۸۹-۹۰ عن حضرت انس ابن مالک۔ سنن ابن ماجہ ۳:۳۰۳-۳۰۴/ ح ۴۰۱۵)۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اصلاح کے بعد زمین کو فتنہ و فساد سے بھر دیں گے۔ اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے مولانا حامد الانصاری غازی (اسلام کا نظام حکومت ۲۵۳) کہتے ہیں کہ اگر ''میراث اصل وارثوں کے ہاتھ سے نکل جائے اور غیر وارثوں کے حملہ سے مرعوب ہو جائے۔ . . تو اصل وارث کے لئے ضروری ہے وہ گمشدہ صلاحیتوں کو دریافت کر کے میدان عمل میں آئے، اپنے حق کو سمجھے۔'' اس عہد کے مسلمان سائنسدانوں کے لئے یہی نسخۂ حیات ہے کہ وہ دوسروں کی نقالی کے جال سے نکل کر اپنے علمی وجود کی نئی دریافت کریں اور اس درجۂ کمال کو پہنچیں جو بطور ملت علم ان کا حق ہے۔

دنیا میں اسلام کی راہ سے علمی انقلاب بڑی منطقی ترتیب اور سائنسی تدریج کے ساتھ آیا تھا صحابہ نے ابتداء ہی میں تین بنیادی اسلامی علوم - قرآن، حدیث، فقہ - کو منضبط کرنا شروع کیا۔ جب ایک بار ایک صدی کی مدت میں تین نسلوں نے روحانی علوم کی ترتیب سے دنیا کا پہلا سائنسی فلسفۂ علم (epistemology) مرتب کر دیا تب مسلمان مادی علوم کی طرف متوجہ ہوئے تھے اور پھر چند ہی صدیوں میں انہوں نے وہ کارنامے کر دکھائے جن سے آج تک انسان فیضیاب ہو رہے ہیں۔ اس سلسلہ کا ایک بنیادی نکتہ جو عام مسلمان ہی نہیں مسلمان اہل علم کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ رہ گیا وہ یہ کہ ماضی کے مسلمان سائنسداں پہلے عالم دین ہوتے تھے - خواہ امام ابو یوسف اور امام بخاری کے مرتبہ کو نہ پہنچیں - بعد میں اپنے ذوق کے مطابق مادی علوم میں اختصاص پر متوجہ ہوتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی ایجادات اور اختراعات میں مضرت کا پہلو نہیں پایا جاتا تھا۔

ماضی کے ان مسلم عالم دین سائنسدانوں کو نوبیل جیسا انعام کبھی نہیں ملا، لیکن ان کے احسانات کا تذکرہ مغربی دنیا میں آج بھی ہوتا رہتا ہے۔ نوبیل انعام پانے والوں کی اکثریت گمنام ہے۔ ☆

کتابیات

قرآن الحکیم: البقرہ ۲. المائدہ ۵. الاعراف ۷. الانبیاء ۲۱. الحج ۲۲. محمد ۴۷.
امام بخاری، ابو عبداللہ محمد ابن اسمٰعیل. جامع الصحیح: تفہیم البخاری (ع ر: مولانا ظہور الباری اعظمی) دارالاشاعت. کراچی.
امام ترمذی، ابو عیسیٰ محمد. الجامع (ع ر: مولانا ناظم الدین) مکتبہ العلم. لاہور.
امام ابن ماجہ، محمد ابن یزید. سنن. (ع ر: مولانا محمد قاسم) مکتبہ العلم. لاہور.
امام احمد ابن حنبل. مسند. مؤسسۃ الرسالہ بیروت.
امام بیہقی، ابی بکر احمد ابن الحسین. شعب الایمان. (ع ر: مولانا قاضی ملک محمد اسمٰعیل) دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۷ء.
ابن سعد. طبقات الکبریٰ. (ر: مولانا عبداللہ عمادی) نفیس اکیڈیمی کراچی.
امام طبری، محمد ابن جریر (۲۲۴-۳۱۰ھ). جامع البیان فی تأویل القرآن. مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲۰۰۰ء.
امام ماوردی، ابوالحسن علی ابن محمد (۳۶۴-۴۵۰ھ). نُکَت والعُیون/ تفسیر ماوردی. دار الکتب العلمیہ بیروت.
امام بغوی، ابو محمد الحسین (م: ۵۱۶ھ). معالم التنزیل. دار طیبہ بیروت ۱۹۹۷ء.
حقانی دہلوی، شیخ عبدالحق. فتح المنان/ تفسیر حقانی. الفیصل لاہور ۲۰۰۹ء
تھانوی، مولانا اشرف علی. بیان القرآن. ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان. ۱۴۲۶ھ.
آزاد، مولانا ابوالکلام. ترجمان القرآن. نام ناشر ندارد.
آزاد، مولانا ابوالکلام. قرآن کا قانون عروج و زوال. مکتبہ جمال لاہور ۲۰۰۷ء.
ابن خلدون، علامہ عبدالرحمن (۷۳۲-۸۰۸ھ). مقدمہ. (ر: مولانا راغب رحمانی) نفیس اکیڈیمی کراچی ۲۰۰۱ء.
غازی، مولانا حامد الانصاری. اسلام کا نظام حکومت. ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۴۳ء.
رازی، مولانا محمد ولی. ھادیٔ عالم. دارالعلم کراچی. ۱۹۸۷ء.
غازی، محمد طارق. نظریہ تھذیب اقرا ایجوکیشن فاؤنڈیشن، ممبئی. ۲۰۱۷ء.

بیت المقدس:

ٹپکتے آنسو...... سسکتی آہیں

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

امریکہ میں گزشتہ سال عہدۂ صدارت کے انتخابات ہونے سے قبل ہی دنیا کی مختلف امن پسند تنظیموں و اداروں اور متعدد سیاسی شخصیات نے ڈونلڈ ٹرمپ کے صدر منتخب ہونے پر دنیا میں امن وسلامتی کے لیے خطرہ کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ خود امریکہ میں ٹرمپ کی جیت پر جو مخالف مظاہرے اور احتجاجات ہوئے وہ اس سے قبل وہاں دیکھنے میں نہیں آئے۔ نیز ۲۰۱۷ء میں امریکہ میں جو دہشت گردی کے واقعات رونما ہوئے وہ اس کی واضح علامت ہیں۔ ۲۰ جنوری ۲۰۱۷ء کو ٹرمپ نے امریکہ کے عہدۂ صدارت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد سے اب تک متعدد ایسے فیصلے کیے ہیں جن کی وجہ سے امریکہ کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی وہ تنقید کا نشانہ بنے ہیں۔ ٹرمپ کے بعض فیصلوں پر خود امریکی عدالتوں نے بھی پابندی لگائی جن پر ٹرمپ کو بہت ذلت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

اپنی شدت پسندی اور مسلم مخالف پالیسی کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے تمام عالمی قوانین، قراردادیں اور بین الاقوامی برادری کے متفقہ فیصلوں کی دھجیاں اڑا کر ٹرمپ نے ۶ دسمبر ۲۰۱۷ء کو یہ اعلان کر ڈالا کہ اب وہ امریکی سفارت خانہ کو اسرائیل کے شہر تل ابیب سے ہٹا کر فلسطینی دارالخلافہ "القدس" منتقل کردے گا، جس کو بیت المقدس بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ آج سے سو سال قبل دسمبر ۱۹۱۷ء میں برطانوی حکومت نے اپنی ظالمانہ وغاصبانہ پالیسی کے تحت عثمانی حکومت سے کم وبیش ایک ماہ کی جنگ کے بعد اس مقدس سرزمین کو مسلمانوں سے چھین لیا تھا۔ غرضیکہ ٹرمپ کے اعلان کے مطابق اب اسرائیل کا دارالحکومت تل ابیب نہیں بلکہ وہ بیت المقدس شہر ہوگا جو آج بھی عالمی پیمانہ پر فلسطین کا ایک شہر ہے، جس پر اسرائیل کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ اُس نے ۱۹۶۷ء سے اُس پر ناجائز قبضہ کررکھا ہے۔ اسرائیل نے اپنی ہٹ دھرمی کا ثبوت دے کر ۱۹۸۰ء میں بیت المقدس شہر کو اسرائیل کا دارالحکومت بنانے کا اعلان کرکے تمام سرکاری دفاتر من جملہ پارلیمنٹ ہاؤس، سپریم کورٹ اور وزیراعظم وصدر ملک کے گھر بیت المقدس شہر میں منتقل کردئے ہیں، لیکن اسرائیل کے اس ظالمانہ فیصلہ کے ۳۷ سال گزرنے

کے باوجود دنیا کے کسی بھی ملک نے آج تک بیت المقدس شہر کو اسرائیلی حکومت کا دارالحکومت تسلیم نہیں کیا ہے۔اسی وجہ سے کسی بھی ملک کا اسرائیل کے لیے سفارت خانہ بیت المقدس شہر میں نہیں ہے۔ بلکہ تمام سفارت خانے تل ابیب شہر میں ہی قائم ہیں۔امریکہ کے یروشلم ایمبیسی ایکٹ ۱۹۹۵ء کے تحت ۳۱ مئی ۱۹۹۹ء سے قبل اسرائیل میں امریکی سفارت خانہ کو القدس شہر منتقل ہونا تھا لیکن ۲۲ سال گزرنے کے باوجود اس پر آج تک عمل درآمد نہیں ہوسکا اور ہر چھ ماہ کے لیے اس کو مؤخر کردیا جاتا ہے۔ یکم جون ۲۰۱۷ء کو ٹرمپ بھی اس کو ایک بار مؤخر کر چکے ہیں، یکم دسمبر ۲۰۱۷ء کو دوسری مرتبہ چھ ماہ کے لیے مؤخر کرنے کے بجائے اسرائیل کے دباؤ میں آکر ٹرمپ نے بالآخر ۶ دسمبر ۲۰۱۷ء کو یہ اعلان کرڈالا کہ وہ القدس شہر میں اپنا سفارت خانہ منتقل کرے گا۔ٹرمپ کے اس فیصلہ سے دنیا میں ہلچل مچ گئی ہے۔عرب مما لک سمیت مسلم رہنماؤں اور بین الاقوامی برادری نے ٹرمپ کے اس فیصلہ کی مذمت کی ہے کیونکہ ٹرمپ کے اس فیصلہ سے حالات خراب ہوں گے،خونریزی اور قتل وغارت گری میں اضافہ ہی ہوگا اور اس مذموم فیصلہ کی وجہ سے دنیا ایک ایسی جنگ کی طرف جاسکتی ہے،جس سے دنیا میں تباہی کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔اس لیے امن پسند لوگوں کو چاہئے کہ ٹرمپ کے اس فیصلہ کی ڈٹ کر مخالفت کریں۔چنانچہ اقوام متحدہ نے بھی ٹرمپ کے اِس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے۔مسلم حکمرانوں کو بھی چاہئے کہ اس موقع پر آپسی اختلافات کو پس پشت ڈال کر ایک آواز سے بین الاقوامی اداروں اور علاقائی تنظیموں کے ذریعہ امریکہ پر دباؤ ڈالیں کہ وہ اپنے مذموم فیصلہ کو پہلی فرصت میں واپس لے۔نیز اس موقع پر مسلمانوں سے درخواست ہے کہ قبلۂ اوّل کی یہودیوں کے چنگل سے مکمل آزادی کے لیے اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعائیں کریں کیونکہ مسجد اقصیٰ میں یقیناً پنج وقتہ نماز ادا کی جاتی ہے لیکن جس شہر میں مسجد اقصیٰ واقع ہے، یعنی بیت المقدس اُس کا مکمل نظم ونسق اسرائیلی حکومت کے پاس ہے۔اور اس مقدس شہر میں مسلمانوں کی آبادی کو کم کرنے اور یہودیوں کی آبادی کو بڑھانے پر مکمل پلاننگ کے تحت کام کیا جارہا ہے۔آیئے اس موقع پر اس مقدس سرزمین کے متعلق تاریخی حقائق سے آگاہی حاصل کریں۔

فلسطین دنیا کے قدیم ترین مما لک میں سے ایک ہے جس کی حدود اِس وقت اردن،سوریا، لبنان اور مصر سے ملتی ہیں۔یہ دراصل پورا علاقہ (سوریا، لبنان، فلسطین اور اردن) تاریخی کتابوں میں ملک شام سے موسوم ہے۔فلسطین کا سب سے مشہور شہر القدس ہے، جسے بیت المقدس بھی کہتے ہیں اور اسرائیل اسے یروشلم (Jerusalem) کہتا ہے۔مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں تینوں بڑے

آسمانی مذہبوں کے لیے یہ مقدس شہر ہے۔اسی مبارک شہر ''القدس'' میں قبلہ اوّل واقع ہے جس کی طرف نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام نے تقریباً ۱۶ یا ۱۸ ماہ نمازیں ادا فرمائی ہیں۔اس قبلۂ اول کا قیام مسجد حرام (مکہ مکرمہ) کے چالیس سال بعد ہوا۔مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد سب سے بابرکت وفضیلت کی جگہ مسجد اقصیٰ ہے، جس کی زیارت کے لیے نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کی تعلیم دی ہے۔اسی سرزمین میں واقع مسجد اقصیٰ کی طرف ایک رات آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ سے لے جایا گیا اور وہاں آپ ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت فرما کر نماز پڑھائی، پھر بعد میں اسی سرزمین سے آپ ﷺ کو آسمانوں کے اوپر لے جایا گیا جہاں آپ ﷺ کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری ہوئی۔اس سفر میں آپ ﷺ نے جنت وجہنم کے مختلف مناظر دیکھے اور سات آسمانوں پر آپ ﷺ کی مختلف انبیاء کرام سے ملاقات ہوئی۔یہ مکمل واقعہ رات کے ایک حصہ میں انجام پایا۔مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کے اس سفر کو اسراء اور مسجد اقصیٰ سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کے اس سفر کو معراج کہا جاتا ہے۔

۱۶ ہجری (۶۳۷ء) میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس مبارک شہر (بیت المقدس) کو فتح کرکے وہاں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔خلیفہ عبد الملک کے عہد میں یہاں عالیشان مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخراء کی تعمیر کی گئی۔بیت المقدس کی فتحیابی کے ۴۶۲ سال بعد ۱۰۹۹ء میں پہلی صلیبی جنگ کے موقع پر عیسائیوں نے اس شہر پر قبضہ کرکے ۷۰ ہزار مسلمانوں کو شہید کردیا تھا، مگر صرف ۸۸ سال بعد ۱۱۸۷ء میں حضرت صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے القدس شہر کو عیسائیوں کے قبضہ سے چھڑایا۔۱۲۲۸ء سے ۱۲۴۴ء تک بھی اس شہر کو مسلمانوں سے چھین لیا گیا تھا۔غرضیکہ یہ مبارک شہر (بیت المقدس) صرف سو سال کے علاوہ ۶۳۷ء سے ۱۹۱۷ء تک مسلسل مسلمانوں کے ہی قبضہ میں رہا ہے۔اور اس شہر میں رہنے والوں کی بڑی تعداد مذہب اسلام کو ہی ماننے والی رہی ہے۔لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد خلافت عثمانیہ کے زوال کے ساتھ ہی ۱۹۱۷ء میں اس شہر اور فلسطین کے دوسرے علاقوں پر برطانیہ نے قبضہ کرلیا تھا اور پھر آہستہ آہستہ دنیا کے کونے کونے سے یہودیوں کو آباد کرکے مسلمانوں کی اس سرزمین (فلسطین) پر ۱۹۴۸ء میں ایک ایسے ناجائز ملک کے قیام کا اعلان کردیا جو آج تک پورے خطہ کے امن وسکون کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے۔خلافت عثمانیہ کے آخری باختیار خلیفہ عبدالحمید ثانی پر جب مغربی طاقتوں نے فلسطین کو یہودیوں کو دینے یا وہاں یہودیوں کو آباد کرنے کے تعلق سے دباؤ ڈالا تو اُن کا جواب تاریخ کا حصہ بن گیا: میں سرزمین فلسطین کا ایک انچ بھی یہودیوں کو نہیں دوں گا کیونکہ فلسطین

میرا نہیں بلکہ امت کا ہے اور امت نے اس سرزمین کی حفاظت کے لیے اپنا خون بہایا ہے۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۷ء تک القدس شہر مسلمانوں کے ملک ''اردن'' کا ہی ایک حصہ رہا۔ ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے بعد مغربی ممالک کی بھرپور مدد سے فلسطین کے دیگر علاقوں کے ساتھ القدس شہر پر بھی اسرائیل نے قبضہ کرلیا۔ اس طرح ۱۹۶۷ء میں وہ مقدس شہر بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا، جہاں مسجد اقصیٰ واقع ہے جو مسلمانوں کا قبلہ اوّل ہے۔

شہر القدس (یروشلم) سے جہاں مسلمانوں کا خصوصی تعلق ہے، وہیں یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے بھی یہ مقدس سرزمین ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام نے عراق سے بیت المقدس کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام (حضرت یعقوب، حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ) کا تعلق اسی سرزمین سے ہے۔ عیسائیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش بھی یہی شہر ہے۔ یہودیوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کی تیار کردہ عبادت گاہ (ہیکل سلیمانی) کا تعلق بھی اسی سرزمین سے ہے۔ سرور کائنات وآخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں جو مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس شہر پر مسلمانوں کی فتح یابی سے قبل تک اس سرزمین میں یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان متعدد جنگیں ہوئی ہیں جن میں ہزاروں افراد کا قتل عام ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ فلسطینی علاقے خاص کر بیت المقدس پر جو اسرائیل نے ناجائز قبضہ کررکھا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی آزادی کا فیصلہ فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

ارض فلسطین پر مسلمانوں کے حقوق کی وجوہ

(ماخوذ)

☆ فلسطین انبیاء علیھم السلام کا مسکن اور مدفن ہے۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین کی طرف ہجرت فرمائی۔

☆ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو اس عذاب سے نجات دی جو ان کی قوم پر اسی جگہ نازل ہوا تھا۔

☆ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسی سرزمین پر سکونت رکھی اور یہیں اپنا ایک محراب بھی تعمیر فرمایا۔

☆ حضرت سلیمان علیہ اسی ملک میں بیٹھ کر ساری دنیا پر حکومت فرمایا کرتے تھے۔

☆ چیونٹی کا وہ مشہور قصہ جس میں ایک چیونٹی نے اپنی باقی ساتھیوں سے کہا تھا "اے چیونٹیو، اپنے بلوں میں گھس جاؤ" یہیں اسی ملک میں واقع عسقلان شہر کی ایک وادی میں پیش آیا تھا جس کا نام بعد میں "وادی النمل–چیونٹیوں کی وادی" رکھ دیا گیا تھا۔

☆ حضرت زکریا علیہ السلام کا محراب بھی اسی شہر میں ہے۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی ملک کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ اس مقدس شہر میں داخل ہو جاؤ۔ انہوں نے اس شہر کو مقدس اس شہر کے شرک سے پاک ہونے اور انبیاء علیھم السلام کا مسکن ہونے کی وجہ سے کہا تھا۔

☆ اس شہر میں کئی معجزات وقوع پذیر ہوئے جن میں ایک کنواری بی بی حضرت مریم کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ بھی ہے۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے قتل کرنا چاہا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اسی شہر سے آسمان پر اٹھالیا تھا۔

☆ ولادت کے بعد جب عورت اپنی جسمانی کمزوری کی انتہاء پر ہوتی ہے ایسی حالت میں بی بی مریم کا کھجور کے تنے کو ہلا دینا بھی ایک معجزہ الٰہی ہے۔

☆ قیامت کی علامات میں سے ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر واپس تشریف اسی شہر کے

مقام سفید مینار کے پاس ہوگا۔

☆ اسی شہر کے ہی مقام باب لد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح دجال کو قتل کریں گے۔

☆ فلسطین ہی ارض محشر ہے۔

☆ اسی شہر سے ہی یاجوج و ماجوج کا زمین میں قتال اور فساد کا کام شروع ہوگا۔

☆ اس شہر میں وقوع پذیر ہونے والے قصوں میں سے ایک قصہ طالوت اور جالوت کا بھی ہے۔

☆ فلسطین کو نماز کی فرضیت کے بعد مسلمانوں کا قبلہ اول ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ہجرت کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام دوران نماز ہی حکم ربی سے آقا علیہ السلام کو مسجد اقصیٰ (فلسطین) سے بیت اللہ کعبہ مشرفہ (مکہ مکرمہ) کی طرف رخ کرا گئے تھے۔جس مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا وہ مسجد آج بھی **مسجد قبلتین** کہلاتی ہے۔

☆ حضور اکرم صل اللہ علیہ وسلم معراج کی رات آسمان پر لے جانے سے پہلے مکہ مکرمہ سے یہاں بیت المقدس (فلسطین) لائے گئے۔

☆ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی اقتداء میں انبیاء **علیھم السلام** نے یہاں نماز ادا فرمائی۔اس طرح فلسطین ایک بار پھر سارے انبیاء کا مسکن بن گیا۔

☆ سیدنا ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ زمین پر سب سے پہلی مسجد کونسی بنائی گئی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ)۔ میں نے عرض کیا کہ پھر کونسی؟ (مسجد بنائی گئی تو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد الاقصیٰ (یعنی بیت المقدس)۔ میں نے پھر عرض کیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چالیس برس کا اور تو جہاں بھی نماز کا وقت پالے، وہیں نماز ادا کرلے پس وہ مسجد ہی ہے۔

☆ وصال حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ارتداد کے فتنہ اور دیگر کئی مشاکل سے نمٹنے کیلئے عسکری اور افرادی قوت کی اشد ضرورت کے باوجود بھی ارض شام (فلسطین) کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیار کردہ لشکر بھیجنا بھی ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے۔

☆ اسلام کے سنہری دور فاروقی میں دنیا بھر کی فتوحات کو چھوڑ کر محض فلسطین کی فتح کیلئے خود سیدنا عمر کا چل کر جانا اور یہاں پر جا کر نماز ادا کرنا اس شہر کی عظمت کو اجاگر کرتا ہے۔

☆ دوسری بار بعینہ معراج کی رات بروز جمعہ 27 رجب 583 ھ کو صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں اس

شہر کا دوبارہ فتح ہونا بھی ایک نشانی ہے۔

☆ بیت المقدس کا نام قدس قران سے پہلے تک ہوا کرتا تھا، قرآن نازل ہوا تو اس کا نام مسجد اقصیٰ رکھ گیا۔قدس اس شہر کی اس تقدیس کی وجہ سے ہے جو اسے دوسرے شہروں سے ممتاز کرتی ہے۔اس شہر کے حصول اور اسے رومیوں کے جبر و استبداد سے بچانے کیلئے 5000 سے زیادہ صحابہ کرام **رضوان اللہ علیہم اجمعین** نے جام شہادت نوش کیا۔اور شہادت کا باب آج تک بند نہیں ہوا، سلسلہ ابھی تک چل رہا ہے۔یہ شہر اس طرح شہیدوں کا شہر ہے۔

☆ مسجد اقصیٰ اور بلادشام کی اہمیت بالکل حرمین الشریفین جیسی ہی ہے۔جب قران پاک کی یہ آیت (**والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین**) نازل ہوئی تو ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ہم نے بلادشام کو "**التین**" انجیر سے، بلادفلسطین کو "**الزیتون**" زیتون سے اور **الطور سینین** کو مصر کے پہاڑ کوہ طور جس پر جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ پاک سے کلام کیا کرتے تھے سے استدلال کیا۔

☆ اور قران پاک کی یہ آیت مبارک (**ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون**) سے یہ استدلال لیا گیا کہ امت محمد حقیقت میں اس مقدس سرزمین کی وارث ہے۔

☆ فلسطین کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے یہاں پر پڑھی جانے والی ہر نماز کا اجر 500 گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے۔

بیت المقدس اور مسلمانوں کے حقوق

مفتی امانت علی قاسمی استاذ دار العلوم حیدر آباد

اس روئے زمین پر اللہ کا پہلا گھر خانۂ کعبہ ہے اور دوسرا خانۂ خدا، مسجد اقصی ہے، ایک روایت میں ہے حضور ﷺ سے سوال کیا گیا یا رسول اللہ سب سے پہلی مسجد کون سی ہے آپ نے ارشاد فرمایا مسجد حرام، سوال ہوا اور دوسری؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجد اقصی، پوچھا گیا ان دونوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے ،آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا چالیس سال کا۔

یہ مسئلہ علماء کے درمیان اختلافی ہے کہ مسجد حرام کی تعمیر سب سے پہلے کس نے کی، ایک روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ،اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ مسجد اقصی کی تعمیر سب سے پہلے کس نے کی ہے ایک قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اور دوسری روایت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے خانۂ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم نے اور بیت المقدس کی تعمیر حضرت یعقوب علیہ السلام نے کی ہے اس لئے کہ ان دونوں کی عمر میں چالیس کا فاصلہ ہے، جبکہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان کی عمر میں کئی سو سال کا فاصلہ ہے۔

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے مکہ میں تیرہ سال اور مدینہ ہجرت کرنے کے بعد سولہ یا سترہ مہینہ آپ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے اس لئے مسجد اقصی مسلمانوں کا قبلہ اول ہے، جس طرح مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی فضیلت ہے اسی طرح مسجد اقصی میں نماز پڑھنے کی فضیلت ہے، مسجد حرام کی بہ نسبت مسجد اقصی میں ایک چوتھائی ثواب ملتا ہے۔

ایک روایت میں ہے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نمازوں کا ملتا ہے اور مسجد اقصی میں ڈھائی سو نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ ﷺ نے انبیاء کی امامت فرمائی ہے، سفر معراج کی پہلی منزل بیت المقدس ہے بعض روایت میں ہے کہ معراج پر تشریف لے جاتے وقت ہی آپ نے انبیاء کی امامت فرمائی تھی جبکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج سے واپسی پر آپ ﷺ نے بیت المقدس میں فجر کی نماز میں انبیاء کی امامت فرمائی، ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عبادت کی نیت سے کسی مسجد کا سفر کرنا درست نہیں ہے سوائے تین مساجد کے مسجد حرام، مسجد

نبوی، اور مسجد اقصی، یہ وہ وجوہات ہیں جن کی بنیاد پر بیت المقدس سے مسلمانوں کا رشتہ ایمانی اور مذہبی ہے، آپ ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ مسلمان بیت المقدس کو فتح کرلیں گے آپ ﷺ کی پیش گوئی بہت جلد پوری ہوگئی اور ۱۴۱ء میں حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں حضرت عبیدہ بن الجراحؓ نے لشکر کشی کی اور فلسطین کا محاصرہ کرلیا اس وقت اس کا نام ایلیا تھا چالیس روز کے محاصرے کے بعد فلسطینی مصالحت کے لئے تیار ہوگئے، لیکن ان کی شرط تھی کہ مصالحت پر دستخط مسلمانوں کے خلیفہ خود آکر کریں حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور فلسطین تشریف لے آئے اور معاہدہ پر دستخط فرمادئے جس کی رو سے بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا، اور فلسطینی جزیہ دے کر مسلمانوں کے زیر سایہ رہنے لگے، ایک زمانے تک بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں رہا، پانچویں صدی ہجری میں سلجوقی حکومت کا فاطمی حکومت سے مقابلہ ہوا اور فاطمیوں نے ان سے بیت المقدس اپنی تحویل میں لے لیا اس کے بعد ۳۹۴ھ میں پہلی صلیبی جنگ ہوئی اور بیت المقدس صلیبیوں کے ہاتھ میں چلا گیا اس کی بازیابی کے لئے اللہ تعالی نے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کو پیدا فرمایا، صلاح الدین ایوبیؒ یہ دیکھ کر کہ جس بیت المقدس کے ساتھ مسلمانوں کا والہانہ رشتہ رہا ہے آج وہ غیروں کے ہاتھوں میں ہے وہ تڑپ جاتے ہیں ان کی آنکھیں نم ہوجاتی ہیں، ان کے چہروں پر ہمیشہ غم کے آثار رہتے ہیں بالآخر وہ ایک مضبوط فوج تیار کرکے بیت المقدس کی بازیابی کا عزم مصمم کرلیتے اور سلطان کے عزم واستقلال کے آگے صلیبی فوجیں ڈھیر ہو جاتی ہیں، مقابلہ تو خوب ہوتا ہے مسلمان بڑی تعداد میں شہید ہوتے ہیں عیسائی بیت المقدس کے اردگرد بہت مضبوط قلعہ تعمیر کرتے ہیں جسے عبور کرپانا بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن ایوبی کی ہمت اور عزیمت کے آگے مضبوط قلعہ مسمار ہوجاتا ہے اور نوے سال کے عرصے کے بعد ۳۸۵ھ میں بیت المقدس پر دوبارہ اسلامی پرچم لہرانے لگتا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المقدس کے فتح ہونے کے بعد وہاں ایک مصلیٰ تعمیر کروایا تھا، پھر اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اس سادہ مصلیٰ کو ازسر نو تعمیر کرایا اور اس کے شمالی جانب میں ایک قبہ بھی تعمیر کرنے کا حکم دیا، لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ کام ان کے ہاتھوں تکمیل کو نہ پہنچ سکا پھر ان کے بیٹے ولید بن عبدالملک نے المصلی الجامع اور قبۃ الصخرا کو عالی شان انداز میں تعمیر کیا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بیت المقدس ایک بہت بڑے احاطہ کا نام ہے جس کی چاروں طرف سے مضبوط دیواروں کے ذریعہ گھیرابندی کی گئی ہے اور یہ حصہ غیر مسقف ہے اس میں المصلی الجامع اور قبۃ

الصخراء کے علاوہ اور بھی چیزیں تعمیر کی گئی ہیں اور ہر دور میں مسلم حکمرانوں نے مسجد حرام کی طرح بیت المقدس کی تعمیر وتزئین کاری کے ذریعہ فن تعمیر کی عظیم شاہ کاری کا مظاہرہ کیا ہے آج کل جو بیت المقدس کی تصویر دکھائی دیتی ہے وہ درحقیقت قبۃ الصخرا کی تصویر ہے بیت المقدس تو بہت بڑے رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔

یہودیوں کے سلسلہ میں اتنا کہہ دینا کافی ہے اسلام کے ابتدائی زمانہ سے وہ مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں انہوں نے عہد نبوی میں بدعہدی کی اس کے علاوہ اسلام کو جس طرح نقصان پہنچا سکتے تھے اس سے دریغ نہیں کیا قرآن میں ان کی عداوت و دشمنی کے سلسلے مختلف آیتیں نازل ہوئی ہیں، یہودی فلسطین پر اپنا حق مانتے ہیں اور بیت المقدس کی جگہ پر ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، اسلام سے قبل یہودی فلسطین میں آباد تھے لیکن ۱۳۱ ۵ ء میں رومی شہنشاہ ہیڈریان نے یہودیوں کو فلسطین سے جلاوطن کردیا تھا ۰۰ ۷ ابرس تک یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کی اجازت نہیں تھی اس مدت میں صرف نوے سال تک بیت المقدس عیسائیوں کے قبضہ میں رہا، سب سے پہلی مرتبہ ۱۸۸۰ میں کچھ یہودی خاندان فلسطین میں آکر آباد ہوئے پھر ۱۸۹۷ء میں یہودی تحریک معرض وجود میں آئی جس کا مقصد فلسطین پر قبضہ کرنا اور ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا تھا، ۱۹۰۱ء میں ہرٹزل نے ترکی خلیفہ سلطان عبدالحمید کو لالچ دیا اس وقت فلسطین خلافت عثمانیہ کی ماتحتی میں تھا، کہ آپ فلسطین میں یہودیوں کے مملکت کے قیام کی اجازت دے دیجئے، یہودی ترکی کا سارا قرضہ چکا دیں گے، لیکن سلطان عبدالحمید نے نہ صرف ان کے پیش کش کو ٹھوکرا دیا دیا بلکہ ان کی غیرت ایمانی جوش میں آگئی انہوں نے کہا ہم اس وطن کی ایک بالشت زمین بھی اس وقت تک نہیں دیں گے جب تک کہ اس پر ہمارا خون نہ بہ جائے، یہودی اس بات پر سلطان کے مخالف ہوگئے اور ۱۹۰۸میں سازش کے ذریعہ ان کو معزول کردیا گیا ۱۹۱۴ء میں جب پہلی جنگ عظیم برپا ہوئی تو برطانیہ نے دوقومی نظریہ کے ذریعہ تحت عربوں اور ترکوں میں منافرت پیدا کردی اور عرب برطانیہ کے اور ترکی جرمنی کی حلیف ہوگئے، اس دوران وائزمین نامی ایک یہودی نے برطانیہ کو یہ پیش کش کی کہ اگر جرمنی پر فتح کی صورت میں فلسطین میں یہودیوں کا قومی وطن بنا دیا جائے تو یہودی اس جنگ کا سارا خرچہ برداشت کرنے کو تیار ہیں، اور ۱۹۱۷میں یہ خفیہ معاہدہ ہوگیا، جسے تاریخ میں ''اعلان بالفور'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ معاہدہ برطانیہ کے دھوکے بازی اور بربریت کا عملی ثبوت ہے اور یہ وہ بدنما داغ ہے جسے انگریز کبھی دھونہیں سکتے اس لئے کہ عربوں کی زمین انگریزوں کو فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا ہے پھر وہ انگریز، شریف مکہ سے بھی وعدہ کرچکے تھے کہ عرب کی زمین پر عرب کی حکومت ہوگی اسی معاہدے

کی وجہ سے شریف مکہ نے ترکی کے خلاف بغاوت کی تھی ،جس کی وجہ سے فلسطین اور عراق پر برطانیہ کا قبضہ ہوا تھا لیکن مسلمانوں سے کیا گیا وعدہ نظر انداز کر کے فلسطین یہودیوں کو دے دیا گیا ۱۹۱۷ء میں فلسطین کی یہودی آبادی چھپن ہزار تھی ،لیکن اعلان بالفور پر عمل ہونے کی وجہ سے ۱۹۲۱ء میں یہودی آبادی ۸۳ ہزار پہنچ گئی اور بڑی تیزی سے یہودی آباد ہونے لگے ۱۹۲۲ء سے ۱۹۴۷ء تک کا زمانہ برطانوی انتداب کا زمانہ ہے جس میں یہودیوں کو بسانے کا کام منظم طور پر کیا جاتا رہا اور فلسطین کی زمین خریدنے کے لئے خزانے کے منھ کھول دئے گئے ،اب یہودیوں کی آبادی چار لاکھ سے تجاوز کر جاتی ہے ۱۹۴۷ء میں برطانیہ نے مسئلہ فلسطین کو اقوام متحدہ میں پیش کر دیا اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کر دیا ،اور فلسطین کا چھپن فیصد رقبہ یہودیوں کو اور پینتالیس فیصد رقبہ عربوں کو دے دیا یہ تقسیم بالکل ظالمانہ تھی کہ عربوں کی زمین بلا کسی وجہ کے زبردستی یہودیوں کو دے دی گئی تھی ،اس لئے عرب اس تقسیم سے راضی نہیں تھے ،لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ یہودی بھی اس تقسیم سے راضی نہیں ہوئے چنانچہ انہوں نے لڑائی کے ذریعہ عرب کی باقی زمینوں پر قبضہ کرنا شروع دیا ،۱۴ رمئی ۱۹۴۸ء کو یہودیوں نے اپنے قومی وطن اسرائیل کا اعلان کر دیا جسے امریکہ اور برطانیہ نے سب سے پہلے تسلیم کر لیا ،اس وقت عرب ممالک نے اس تقسیم کی مخالفت کی اور کوششیں کی لیکن یہودی جارحیت کے سامنے عربوں کی ایک نہ چلی بالآخر ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے نتیجہ میں بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا ،بلکہ انہوں نے بیت المقدس کے علاوہ مصر کے صحرائے سیناء اور شام کے جولان کی پہاڑیوں پر بھی اپنا قبضہ جما لیا ،اس طرح تیرہ سو سال جو بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں تھا یہودیوں کا اس پر قبضہ ہو گیا۔

اب ان کا منصوبہ یہ ہے بیت المقدس کو منہدم کر کے ایک عظیم ہیکل سلیمانی وہاں پر تعمیر کیا جائے اس کے لئے وہ منصوبہ بند کوششیں کر رہے ہیں ،کبھی اس کے اردگرد کھدائی کرتے ہیں ،سرنگیں بناتے ہیں ،تا کہ بیت المقدس کی بنیادوں کو کھوکھلا کیا جا سکے ،بیت المقدس میں موجود قبروں کے نشان یا اس کے اسلامی آثار کو مٹا رہے ہیں ،اس شہر سے اسلام کے نشان کو مٹانے کے لئے مسجدوں کو مسمار کر رہے ہیں ،وہاں موجود مسلمانوں کو جبر و تشدد کے ذریعہ فلسطین چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا ہے ،کبھی بیت المقدس میں آگ لگا دی جاتی ہے گویا ہر طرح بیت المقدس کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ،لیکن قربان جایئے فلسطینی مسلمانوں پر کہ بے سروسامانی کے عالم میں اپنے حقوق کے لئے لڑ رہے ہیں ،اپنی ہمت کا مظاہرہ کر رہے

ہیں، نوجوان اور بچے بھی اس جنگ میں پیچھے نہیں ہیں، اپنی جان کی بازی لگا کر بیت المقدس کی بازیابی کی جدو جہد کر رہے ہیں۔

اسلام نے دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک جسم کی طرح قرار دیا ہے اگر جسم کے کسی حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے اسی طرح اگر دنیا کے کسی خطے میں مسلمان تکلیف میں ہوں تو ہندوستانی مسلمانوں کو بھی وہ تکلیف محسوس ہونی چاہئے ،اگر فلسطین کے مسلمان اسرائیلی جارحیت کے شکار ہیں تو ہندوستانی مسلمانوں کو اس کے خلاف دستوری جد جہد کرنی چاہئے اور اپنے ایمان و یقین کا ثبوت پیش کرنا چاہئے ،ہمیں مسئلہ فلسطین کا مطالعہ کرنا چاہئے ، ہماری نوجوان نسل شاید اس پورے قضیہ سے ہی نا بلد ہے ،ضرورت اس ہے کہ ہم تاریخ کا مطالعہ کریں ، حالات سے واقفیت حاصل کریں ، فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ اگر کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم ان کے ساتھ اظہار ہمدردی وغم خواری کا معاملہ ضرور کر سکتے ہیں اتنا تو ہمارا حق ضرور بنتا ہے ان نہتے ، جانباز فلسطینیوں کے لئے ، اللہ تعالی فلسطینی مسلمانوں کی مدد فرمائے اور کوئی صلاح الدینؒ پیدا کرے جو مسلمانوں کی مذہبی میراث کو واپس دلا سکے فلسطین مسلمانوں کی مذہبی میراث ہے مسلمان کبھی بھی اور کسی صورت میں اس سے دست بردار نہیں ہو سکتے ہیں۔

شہد کا دلچسپ واقعہ

ناصرالدین مظاہری

ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیقؓ وحضرت سیدنا عمر فاروقؓ وحضرت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے دولت خانہ پر تشریف فرما ہوئے۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر خاطر و مدارت کا اہتمام کیا اور ایک روشن طشت میں نہایت نفیس شہد بھر کر پیش کیا، اتفاق سے اس شہد میں ایک بال پڑا ہوا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا اور صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

یہ طشت وشہد جس میں ایک بال بھی نظر آرہا ہے بعض حقائق و معارف کی تشریح چاہتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنے زور طبع سے اس کے متعلق بیان کرے۔

یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دین دار آدمی اس طشت سے زیادہ روشن اور ایمان اس کے دل میں شہد سے زیادہ شیریں اور ایمان کا آخر تک ساتھ لے جانا اس بال سے زیادہ باریک ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہی اس طشت سے زیادہ روشن، اور حکمرانی شہد سے زیادہ شیریں ہے، لیکن حکومت میں عدل وانصاف کرنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمِ دین اس طشت سے زیادہ روشن، اور علمِ دین کا پڑھنا شہد سے زیادہ شیریں اور علم پر عمل کرنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہمان اس طشت سے زیادہ روشن، خدمتِ مہمان شہد سے زیادہ شیریں ہے، لیکن مہمان کی دلنوازی اور خوشنودی حاصل کرنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بیانات سماعت فرمانے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کی طرف پردہ میں متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا بیٹی! تم بھی کچھ کہو! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عورتوں کے حق میں حیا اس طشت سے زیادہ روشن

اور حیادر عورتوں کے منہ پر شہد سے زیادہ شیریں اور خود کو نگاہ غیر محرم سے بچانا بال سے زیادہ باریک ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! میں بھی اس بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں سنو! معرفتِ الٰہی اس طشت سے زیادہ روشن اور معرفت سے آگاہی شہد سے زیادہ شیریں ہے، لیکن اس کو اپنے دل میں محفوظ رکھنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

ابھی یہ گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ دروازہ پر ایک اعرابی نے آواز دی اور حاضری کی اجازت طلب کی، اجازت ملی اور نووارد شخص حاضر ہوا یہ جبرئیل علیہ السلام تھے، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راہِ خدا اِس طشت سے زیادہ روشن ہے اور اس راہ میں چلنا شہد سے زیادہ شیریں ہے، لیکن آخر تک اس راہ پر قائم رہنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور حق سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بہشت اس طشت سے زیادہ روشن ہے، اور بہشت کی نعمتیں اس شہد سے زیادہ شیریں ہیں، لیکن پل صراط سے گذرنا بال سے زیادہ باریک ہے۔ (کنزالمعارف)

تین پسندیدہ اعمال

ایک روز نبی اکرم ﷺ ایک مجلس میں اپنے جلیل القدر صحابۂ کرامؓ کے درمیان تشریف فرما تھے، دورانِ گفتگو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا:

اے ابوبکر صدیقؓ! اِس دنیا میں آپ رضی اللہ عنہ کی سب سے زیادہ پسندیدہ تین چیزیں کونسی ہیں؟

آپؓ نے جواب میں نہایت عقیدت سے عرض کیا:

حضور ﷺ! مَیں یہ پسند کرتا ہوں کہ:

۱۔آپ ﷺ کے درمیان بیٹھا رہوں۔

۲۔آپ ﷺ کا دیدار کرتا رہوں۔

۳۔اپنا تمام مال آپ ﷺ پر خرچ کردوں۔

پھر حضور ﷺ نے رخِ انور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب کرتے ہوئے اُن کی تین پسندیدہ چیزوں کے بارے میں دریافت فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً عرض کیا:

یا رسول اللہ ﷺ! مَیں یہ پسند کرتا ہوں کہ

۱۔نیکی کا حکم دوں، اگر چہ سرسری طور پر ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔برائی سے روکتا رہوں، اگرچہ سرِعام ہو۔
۳۔حق بات کہوں، اگرچہ سننے والوں کو کڑوی لگے۔
اور پھر حضورِ اکرم ﷺ نے حیا کے پیکر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اُن کی تین پسندیدہ چیزوں کے متعلق دریافت فرمایا:
حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوئے:
آقائے دو جہاں ﷺ! مَیں تین چیزیں بیحد محبوب رکھتا ہوں:
۱۔لوگوں کو کھانا کھلانا۔
۲۔اسلام کا پیغام پھیلانا۔
۳۔رات میں ایسے وقت پر نماز پڑھنا، جب سب لوگ نیند کی آغوش میں ہوں۔
.اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اُن کی تین پسندیدہ چیزوں کے بارے میں دریافت فرمایا تو حضرت علیؓ یوں گویا ہوئے:
یارسول اللہ ﷺ! مجھے یہ تین چیزیں بہت عزیز ہیں:
۱۔مہمان نوازی کرنا۔
۲۔گرمی کے موسم میں روزے رکھنا۔
۳۔دشمن پر تلوار سے وار کرنا۔
پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اُن کی تین پسندیدہ چیزوں کے بارے میں دریافت فرمایا تو حضرت ابوذر غفاریؓ نے جواب دیا:
اے اللہ کے محبوب نبی ﷺ! مَیں دنیا میں جو تین چیزیں پسند کرتا ہوں وہ یہ ہیں:
۱۔بھوک
۲۔بیماری
۳۔موت
آپ ﷺ نے ان سے اِن چیزوں کی پسندیدگی کا سبب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا:
حضور! مجھے بھوک اس لیے عزیز ہے کہ اس کے ذریعے میرا دل نرم ہوتا ہے۔
بیماری اِس لیے محبوب ہے کہ اِس کے ذریعے میرے گناہ معاف ہوتے ہیں

موت اِس وجہ سے پسند ہے کہ اس کے ذریعے مَیں اپنے پروردگار سے جاملوں گا۔
اِس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
میرے لیے تمہاری دنیا سے تین چیزیں پسند کروائی گئی ہیں:
۱۔خوشبو
۲۔نیک عورتیں
۳۔میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔
.اِسی اثناء میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمانے لگے:
اے محبوب رب! میری تین پسندیدہ ترین چیزیں یہ ہیں:
۱۔پیغام کو پہنچانا۔
۲۔امانت کو ادا کرنا۔
۳۔مساکین سے محبت کرنا۔
پھر حضرت جبرئیل آسمانوں کی جانب لوٹ گئے لیکن کچھ ہی لمحوں بعد دوبارہ زمین پر واپس تشریف لائے اور فرمایا:
اے اللہ کے پیارے نبی ﷺ! اللہ رب العزت آپ کو سلام کہتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کو آپ کی اس دنیا سے تین چیزیں بہت پسند ہیں:
۱۔ایسی زبان جو اللہ کی یاد سے تر ہو۔
۲۔ایسا دِل جو اللہ سے ڈرنے والا ہو۔
۳۔ایسا جسم جو مصائب اور آزمائشوں میں صبر کرنے والا ہو۔
(صحیح اسلامی واقعات-شائع کردہ: جامعہ الاظہر یونیورسٹی، مصر)

باپردہ لوگوں کی بے پردگیاں

ابوعبدالرحمٰن محمد رفیق

اسلامی پردہ:

آج کل ہمارا دور فتنوں سے بھرپور ہے۔ ہر نیا دن نئے فتنوں کو پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔ ان تمام فتنوں میں خوفناک فتنے وہ ہیں جن کو اہل مغرب کی تقلید کرنے والوں نے اسلام کا نام لیوا بن تہذیب اسلامی سے غداری کرتے ہوئے جنم دیا ہے۔ جس وقت انگریز برصغیر میں پہنچا تو اس نے "میکالے" سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ ہم مسلم اکثریت والے علاقوں میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر پاتے تو اس نے جواب دیا کہ جب تک قرآن کے ساتھ ان کی محبت باقی رہے گی اس میں کامیابی آپ کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ اہل اسلام آپ کے خلاف بغاوت کرتے رہیں گے تو پھر اس نے دوسرا سوال یہ کیا کہ کوئی ایسا طریقۂ کار ہمیں بتاؤ کہ ہم ان پر حقیقی معنوں میں قابض ہوجائیں تو پورا سال سوچنے کے بعد میکالے نے چند تجاویز ان کے سامنے رکھیں: (۱) علماء اور عوام میں دوری پیدا کردو۔ (۲) قرآن کے ترنم کے مقابل موسیقی کے آلات تیار کرو (۳) شعائر اسلام کی اہمیت ان کے دلوں سے ختم کردو۔ (۴) لباس بدل دو۔ (۵) خوبصورت نظر آنے کے لیے ایسی چیزوں کو رواج دو کہ اسی میں الجھ جائیں (۶) ان کا نصاب و نظام تعلیم تبدیل کردو۔

انگریز اپنے ان اہداف میں مکمل طور پر کامیاب ہوچکا ہے اور آج ہم نام نہاد آزادی کے حاملین فکری اور نظری اعتبار سے انگریز کے غلام ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمارا اسلام آج ہماری خواہشات کے تابع ہے۔ ہمارا قانون پردہ یہ ہے رشتے دار سے پردہ نہیں، گلی محلے والے سے پردہ نہیں، ہاتھ، پاؤں، چہرے کا پردہ نہیں اور جو لوگ پردہ کے قائل ہیں وہ بھی شرعی اور اسلامی پردہ سے آشنا نہیں کہ کن سے پردہ کرنا ہے اور کن سے نہیں اور پردہ کیسے کیا جاتا ہے اور کیسے ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرمائی:

اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مؤمنوں کی عورتوں کو فرمادیجئے کہ اپنے اوپر جلباب (لمبی چادریں) اوڑھیں۔ تو اس وقت عورتیں صرف اپنے ہاتھ اور چہرہ ننگا رکھا کرتی تھی یا بعض خواتین کے

پاؤں نظر آئے تھے، اس آیتِ حجاب کے نازل ہوجانے کے بعد غیر محرم حضرات اور جن سے اللہ نے پردہ کرنا فرض کیا ہے ان کے سامنے ہاتھ پاؤں اور چہرہ کو بھی چھپانا فرض ہوگیا۔ کیونکہ باقی تمام جسم عورت کا ستر ہے وہ تو محرم و غیر محرم دونوں سے چھپانا ضروری ہے۔ پردہ کرنا کن کن سے فرض ہے؟

رہی یہ بات کہ وہ کون لوگ ہیں جن سے پردہ کرنا ضروری ہے تو وہ سورہ؟ نور کی آیت نمبر ۱۳ میں اللہ بیان فرمارہے ہیں کہ ان لوگوں کے علاوہ باقی تمام سے پردہ کرنا ہے:

مؤمنہ عورتوں سے کہو کہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو (چار و ناچار) ظاہر ہوجائے اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں ڈالے رہیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں، والد، سسر، بیٹے، خاوند کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنی عورتیں، مرد غلام جن میں شہوت نہیں ہے، وہ بچے جو عورتوں کی مخفی باتوں کا علم نہیں رکھتے (ان کے سامنے اظہار زینت کرنا جائز ہے)۔ اور وہ اپنے پاؤں زمین پہ نہ ماریں مبادا انکی پوشیدہ زینت ظاہر ہوجائے۔ اور اے مؤمنو! سبھی اللہ کے حضور توبہ کرو تا کہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

پردہ کا طریقہ کار

عورت کا مکمل جسم پردہ ہے، اس کی آواز بھی پردہ ہے، اس کا لباس بھی اور قد کاٹھ بھی (**الا ماظھر منہا**) "جو چیز مجبوراً ظاہر ہوجائے" میں عورت کا قد اور اس کا وہ لباس شامل ہے جس سے وہ پردہ کر رہی ہے یعنی برقعہ وغیرہ، باقی تمام جسم کو عورت چھپا کر رکھے گی اس کے ہاتھ، پاؤں کا نچلا حصہ اور چہرہ کو چھپانا پردہ میں شامل ہے۔ پردہ کے نے کے لیے خواتین سادہ کپڑا استعمال کریں جس پر کڑھائی وغیرہ نہ کی گئی ہو اور زرق برق لباس سے بھی پرہیز کریں کہ وہ خود محل نظر بن جاتا ہے۔ آہستہ قدموں سے چلیں، پاؤں کو زور سے زمین پر نہ ماریں (النور: 31) اور راستہ کے ایک طرف ہو کر چلیں (سنن ابوداود: 5272) نرم لہجہ میں گفتگو نہ کریں اور اپنی آنکھوں کو چھپانے کا بھی خاص اہتمام کریں کیونکہ انسانی جسم میں سب سے خوبصورت چیز چہرہ ہے اور چہرہ میں سب سے زیادہ خوبصورتی کی حامل آنکھ ہے، اسی لیے تو ایک عرب شاعر نے کہا تھا کہ **کل فتنة مبداھا من النظر ومعظم النار من مستصغر الشرر** "ہر فتنہ کی ابتداء نظر کے ساتھ ہوتی ہے اور آگ کا بڑا الاؤ چھوٹے سے شعلے سے ہی روشن ہوتا ہے۔ مگر افسوس کہ تمام جسم چھپانے والی خواتین بھی آنکھوں کو چھپانے کا خیال نہیں رکھتیں، پھر ستم بالائے ستم یہ کہ

اپنے جسم کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل کرنے والی بہنوں کی نظریں غیر محرم مردوں کے چہروں کا طواف کرتی ہیں حالانکہ یہ بات سب سے اہم ہے کوئی عورت کسی غیر محرم کو نہ دیکھے (النور: 31) اور جس چادر یا برقعہ کے ساتھ خواتین پردہ کرتی ہیں وہ نصف پنڈلی سے ایک ذراع نیچے کی جانب لمبا ہو (ذراع ابتداء ہاتھ سے لے کر کہنی تک کے حصہ کو کہتے ہیں) یعنی زمین پر گھسٹتا ہو کہ کہیں ان کے پاؤں غیر محرم مردوں کو نظر نہ آجائیں۔ پردہ کرنے کے لیے کھلے لباس کا اہتمام کریں، برقعہ یا چادر اس قدر تنگ نہ ہو کہ پردہ کا مقصد ہی فوت ہو جائے۔ رسول اللہ ? فرماتے ہیں: "میری امت کے دو گروہ جہنمی ہیں، میں نے ان کو نہیں دیکھا: (۱) وہ مرد جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کی طرح کے کوڑے ہوں اور وہ اس کے ساتھ لوگوں کے ماریں گے (۲) وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہیں (ایسا تنگ، ادھورا اور باریک لباس پہننے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ) وہ خود دوسروں کی طرف مائل ہوتی ہیں اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں، ان کے سر بختی اونٹوں کی کہانوں کی طرح جھکے ہوئے ہیں (یعنی سر کے بال سمیٹ کر پیچھے باندھنے والی خواتین، جس طرح کہ آج کل عام رواج ہے) وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو پائیں گی جبکہ اس کی خوشبو بہت دور کی مسافت سے بھی آتی ہوگی (مسلم :2128) بلاوجہ گھر سے باہر نہ نکلیں، اگر مجبوراً نکلنا بھی پڑے تو خوشبو کا استعمال نہ ہو اور ان احکام کی پابندی ہو۔

قرآن وحدیث کی رو سے مسلمان خواتین کے لیے شرعی پردے کا اہتمام کرنا ایسے ہی لازمی ہے، جیسے کہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج جیسے یہ عبادات فرض عین ہیں، ایسے ہی شرعی پردہ بھی فرض عین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ایک مقام پر پردے کے حکم کو شریعت کے دوسرے احکامات پر مقدم ذکر فرمایا ہے۔

چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے مومن عورتو! تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیا کرو اور اللہ ? تعالیٰ اور اس کے رسول کا کہنا مانو۔'' (سورہ ? احزاب، آیت :33)

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں خواتین کے لیے گھروں کے اندر ٹھہرے رہنے کو واجب قرار دیا گیا ہے مگر مواقع ضرورت اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (معارف القرآن)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحب زادیوں سے اور مسلمان عورتوں سے فرما دیجیے (

کہ جب مجبوری کی بنا پر گھروں سے باہر جانا پڑے) تو اپنے چہروں کے اوپر (بھی) چادروں کا حصہ لٹکایا کریں۔"

اور سورۂ احزاب ہی میں تیسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے:

ترجمہ: "اور جب تم ان سے (امہات المؤمنین سے) کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر (کھڑے ہو کر وہاں) سے مانگا کرو۔" (سورہ ? احزاب)

یعنی بلا ضرورت تو پردے کے پاس جانا اور بات کرنا بھی نہیں چاہیے، لیکن بہ ضرورت کلام کرنے میں مضائقہ نہیں مگر ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں چاہیے۔ (بیان القرآن)

"اے نبی! آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (یعنی جس عضو کی طرف مطلقاً دیکھنا جائز نہیں، اس کو بالکل نہ دیکھیں اور جس کا فی نفسہ دیکھنا جائز ہے، مگر شہوت سے دیکھنا جائز نہیں اس کو شہوت کی نگاہ سے نہ دیکھیں) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں (یعنی ناجائز محل میں شہوت رانی نہ کریں، جس میں زنا اور لواطت سب داخل ہیں) یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک الل ? کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔ اور اسی طرح مسلمان خواتین سے کہہ دیجیے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کریں (یعنی ناجائز محل میں شہوت رانی نہ کریں جس میں زنا اور سحاق سب داخل ہیں)۔" (بیان القرآن)

عورت کو گھروں سے باہر نکلنے کا حق نہیں

جناب نبی صلی الل ? علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "عورتوں کو اپنے گھر سے باہر نکلنے کا حق نہیں، مگر اس وقت (جب کہ وہ کسی ضرورت شدیدہ پیش آنے کی وجہ سے نکلنے پر) مجبور ہو جائیں۔" (طبرانی)

عورت چھپانے کی چیز ہے

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "عورت چھپانے کی چیز ہے (یعنی عورت کے لیے پردہ کے ذریعے خود کو چھپانا ضروری ہے) کیوں کہ وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاک جھانک کرتا ہے۔" (ترمذی)

بد باطن لوگ جو گلی کوچوں میں بیٹھ کر عورتوں کو جھانکتے رہتے ہیں، یہ سب شیطان کے کارندے ہیں۔ شیطان کے ورغلانے سے یہ عورتوں کی تاک جھانک میں لگے رہتے ہیں، اس لیے عورتوں کی چاہیے کہ بلا ضرورت شدیدہ گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

ایک غیرت مند خاتون کا واقعہ

حضرت قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: ''ام خلاد نامی ایک صحابیہ عورت اپنے بیٹے کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں۔اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئی تھیں۔اس حالت کو دیکھ کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا اپنے (شہید) بیٹے کی حالتمعلوم کرنے آئی ہو اور چہرے پر نقاب؟ (مطلب یہ تھا کہ پریشانی کے عالم میں بھی پردے کا اس اقدر اہتمام!) ام خلاد رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ جی ہاں! بیٹے کی شہادت کی مصیبت میں مبتلا ہوگئی ہوں، لیکن اس کی وجہ سے شرم وحیا کو چھوڑ کر (دینی) معصیت زدہ نہیں بنوں گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کے بارے میں خوش خبری سنائی کہ تمہارے بیٹے کو دو اجر ملیں گے۔وجہ پوچھنے پر ارشاد فرمایا، اس لیے کہ ان کو اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔(ابو داؤد، کتاب الجہاد)

مطلب یہ کہ کسی غیرت مند خاتون کا ضمیر اس بات کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا کہ حیاوشرم کی چادر کو اتار کر مردوں کے سامنے ننگی پھرتی رہے۔چاہے موقع خوشی کا ہو یا غم کا حیاوشرم کا برقرار رکھنا ہی کمال ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''کیا تم اپنی عورتوں (ماں، بہنوں اور بیٹیوں) کو چھوڑ دیتے ہو کہ وہ بازاروں میں گھومتی پھریں اور کفار اور فاسقوں سے رگڑ کر چلیں۔خدا تباہ وبرباد کرے اس کو، جو غیرت نہ رکھتا ہو۔'' (احیاء العلوم، ج 2 ص: 48)

حیاء انبیاء کی سنت ہے

جناب نبی کریم صلی الل ? علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''پیغمبروں کی طرز زندگی میں چار چیزیں (بہت اہم ہیں) حیا کرنا، خوش بو لگانا، مسواک کرنا، نکاح کرنا۔'' (ترمذی شریف)

غیر محرم مردوں کا بے محابا گھروں میں داخل ہونا بڑا گناہ ہے

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''تم (غیر محرم) عورتوں کے پاس داخل ہونے سے اجتناب کرو۔ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر وہ مرد، شوہر کی طرف سے عورت کا رشتہ دار ہو؟ (یعنی تب بھی منع ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس سے (یعنی شوہر کے رشتہ دار دیور، جیٹھ وغیرہ) سے تو اس طرح ڈرتے رہنا چاہیے، جس طرح موت سے ڈرا جاتا ہے۔'' (مشکوۃ ص: 267)

مطلب یہ ہے کہ سسرالی رشتہ داروں سے پردہ نہ کرنے میں دیگر غیر محرموں کی بہ نسبت زیادہ خطرہ

ہے کہ کسی برائی میں مبتلا ہو جائے، اس لیے ان سے بچنے کا زیادہ اہتمام ہونا چاہیے۔

اجنبی مردوزن کی خلوت میں شیطان کی شرکت

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''کوئی مرد جب کسی (غیر محرم) عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں ان دونوں کے علاوہ تیسرا فرد شیطان ضرور ہوتا ہے۔'' (مشکوۃ، ص:269)

پردہ کس عمر میں لازم ہے؟

کتنی عمر کے لڑکوں سے پردہ کیا جائے؟ اس کی حد کیا ہے؟ تو عرض یہ ہے کہ جب لڑکا دس سال کا ہو جائے اور اس کے جسم کے ظاہری نشو ونما بالغ کی طرح معلوم ہوں تو دس سال سے ہی پردہ کیا جائے، اگر ماحول او رحالات اور جسمانی نشونما سے یہ اندازہ ہو کہ یہ ابھی حد شہوت کو نہیں پہنچا تو بارہ سال تک رخصت ہوگی۔ اس کے بعد عورتوں کے لیے پردہ ضروری ہے۔ پندرہ سال پورے ہونیکے بعد کسی طرح کی گنجائش باقی نہیں رہتی، کیوں کہ پندرہ سال کے بعد بالاتفاق اس پر بالغ ہونے کا حکملگایا جائے گا۔ (احسن الفتاویٰ:8)

اورلڑکیوں کی عمر جب نو سال پوری ہو جائے تو اس وقت سے ان کو پردے کا حکم کیا جائے گا، یعنی نو سال عمر پوری ہونے کے بعد بے پردہ باہر نہ نکلیں، والدین سرپرست حضرات اس کا اہتمام کروائیں۔

لیکن افسوس صد افسوس! آج مسلمان خواتین نے اسلام کے اس اہم حکم پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ گھروں میں رہنا، چاردیواری میں بیٹھنے کو پسند کرنا تو دور کی بات ہے، ہر کام کے لیے خود گھر سے باہر جانے کو ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔ لباس خریدنا ہو یا اور کوئی سامان، میاں کو گھر بیٹھا کر خود بازار چلی جاتی ہیں، بلکہ اب تو تفریحی مقامات کا چکر لگانا بھی خواتین کی زندگی کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ پھر مزید یہ ہے کہ باہر جاتے ہوئے برقعہ پہننا فیشن کے خلاف قرار دیا جارہا ہے اور اس کو معیوب سمجھا جارہا ہے، اس لیے برقعہ چھوڑ دیا اس پر مزید ستم ظرفی یہ ہے کہ لباس بھی نیم آستین اور تنگ اپنانے لگی ہیں۔ گویا کہ قرآنی احکام کے سراسر خلاف نیم برہنہ مسلم خواتین، گھروں سے باہر گھومنے لگی ہیں۔ (اعاذنا اللہ منہ)

جہاں کہیں پردہ کا کچھ تصور ہے وہ بھی برائے نام ہے۔ (الا ماشاء اللہ) اور بہت سی خواتین اس دھوکے میں ہیں کہ ہم باپردہ ہیں۔ جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہیں تو برقعہ اوڑھ لیتی ہیں، لیکن گھر کے اندر رہ ہر

قسم کے مردوں سے اختلاط رکھتی ہیں۔ حالاں کہ گھر کے اندر بھی شرعی پردے کا اہتمام کرنا خواتین پر فرض ہے، گھر کے اندر داخل ہونے والے مرد رشتہ دار دو قسم کے ہیں،محرم اور غیر محرم، جو غیر محرم ہیں ان سے پردہ فرض ہے۔

وہ رشتہ دار جن سے پردہ فرض ہے

یعنی جس طرح اجنبی مردوں سے پردہ فرض ہے،اسی طرح بہت سے رشتہ داروں سے پردہ کرنا بھی فرض ہے،جن کی فہرست یہ ہے:

چچازاد، پھوپی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد، دیور، جیٹھ،نندوئی، بہنوئی، پھوپھا، خالو،شوہر کا بھتیجا، شوہر کا بھانجا،شوہر کا چچا،شوہر کا ماموں،شوہر کا پھوپھا،شوہر کا خالو۔

بعض عورتوں کو اشکال ہوتا ہے کہ اتنے سارے رشتہ داروں سے پردہ ہے تو کون سے مرد رہ گئے؟ جن سے پردہ نہیں۔اس طرح تو شریعت میں بہت تنگی ہے، حالاں کہ شریعت میں کوئی تنگی نہیں۔

وہ رشتہ دار جن سے پردہ فرض نہیں ہے:

شوہر، باپ، دادا، پڑدادا، بیٹا، پوتا، پڑپوتا، نواسہ، پڑنواسہ، چچا، (حقیقی، علاتی، اخیافی) بھائی (تینوں قسم کے) بھتیجے (تینوں قسم کے بھائیوں کے بلاواسطہ یا بالواسطہ) بھانجے (تینوں قسم کے بہنوئی کے بلاواسطہ یا بالواسطہ) ماموں (تینوں قسم کے)، نانا، پڑنانا،سسر، داماد،شوہر کے بیٹے، رضاعی باپ، رضاعی بیٹا،رضاعی بھائی، رضاعی چچا،رضاعی ماموں وغیرہ۔

غرض یہ کہ فروعات کو ملا کرتیں سے زائد قسم کے مردوں سے پردہ فرض نہیں ہے،لہٰذا یہ اشکال پیش کرنا کہ شریعت میں تنگی ہے بالکل فضول اور لایعنی بات ہے،ایک غیرت ایمان رکھنے والی خاتون کبھی بے پردگی بے حیائی کو پسند نہیں کرسکتی،وہ ہمیشہ اپنی عفت وناموس کی حفاظت کا خیال رکھتی ہے، جان تو دے سکتی ہے،لیکن پردے کے حکم کو نہیں چھوڑ سکتی۔

بے پردہ خواتین کے لیے سخت وعید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں،ان کو میں نے نہیں دیکھا (یعنی میرے زمانے میں موجود نہیں،بعد میں پیدا ہوں گے) ایک تو وہ (ظالم) جن کے ہاتوں میں گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے،جن سے لوگوں کو (ظلماً) ماریں گے۔ دوسری وہ عورتیں ہوں گی جو ننگے

لباس والی ہوں گی (یعنی باریک لباس میں ہوں گی، یا نیم برہنہ لباس میں، چال چلن کے اعتبار سے) مردوں کی طرف مائل ہونے والی اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی۔ان کے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے (یعنی ہندو عورتوں کی طرح سر کے اوپر جوڑا باندھیں گی)، نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ ہی ان کو جنت کی خوش بو ملے گی، حالاں کہ جنت کی خوش بو جنتیوں کو بہت دور کے فاصلے سے ملے گی۔(مسلم)

شرعی پردے کا ماحول فراہم کرنا مردوں کی ذمے داری:

شرعی پردہ کا اہتمام کرنا تو خواتین کی ذمہ داری ہے، جیسا کہ ہر بالغ عورت پر پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں ،بعینہ اسی طرح شرعی پردے کا اہتمام کرنا بھی فرض ہے۔مردوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے گھر کی خواتین سے پردے کا اہتمام کروائیں۔ان کے لیے ایسا ماحول فراہم کریں جس میں خواتین کے لیے پردہ کے شرعی حکم پر عمل کرنا آسان اور ممکن ہو۔اگر مرد اپنے گھر کی خواتین کے لیے شرعی پردے کے اہتمام کا ماحول فراہم نہ کرے، بلکہ ان کو بے پردگی پر ابھارے یا ان کی بے پردگی پر روک ٹوک نہ کرے، کسی قسم کی مخالفت نہ کرے تو ایسے مردوں کو دیوث اور بے غیرت قرار دیا گیا ہے،ان کو جنت سے محرومی کی وعید سنائی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں پر اللہ نے جنت کو حرام قرار دیا ہے۔شراب کا عادی۔والدین کی نافرمانی کرنے والا۔وہ دیوث جو اپنے گھر والوں میں برائی کو برقرار رکھتا ہے۔(مشکوۃ) اس حدیث میں ''دیوث'' کے لیے جنت سے محرومی کی وعید ہے، دیوث کی تعریف بھی ساتھ فرمادی کہ گھر کی خواتین، ماں، بہن، بیٹی، بیوی وغیرہ کسی کو اجنبی مردوں کے ساتھ مشتبہ حالت میں دیکھے، پھر بھی اس کو غیرت نہ آئے اور ان کو نہ روکے، بلکہ بے اعتنائی اور لا پرواہی کا معاملہ کرے۔ ایک مسلمان مرد کو اپنے گھر کی خواتین کے متعلق غیرت اور حمیت کا مظاہرہ کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کو بے حیائی کے کاموں سے روکے اور بے پردگی کے جتنے مواقع ہیں ان میں خواتین کو جانے سے روکے، ان کو شرعی پردے کی تعلیم دے، پھر اس کی پابندی بھی کروائے۔ جو لوگ شرعی پردے کے اہتمام میں رکاوٹ بنیں، خواتین کو چاہیے کہ ان کی پروا نہ کریں، بلکہ الل ? تعالیٰ کا حکم سمجھ کر اپنی غیرت ایمانی کا مظاہرہ کریں اور یہ شعر پڑھا کریں۔

سارا جہاں ناراض ہو پروا نہ چاہیے
مد نظر تو مرضی جانانہ چاہیے
بس اس نظر سے دیکھ کر تو کر یہ فیصلہ
کیا کیا تو کرنا چاہیے کیا کیا نہ چاہیے

رشتہ داری ختم ہونے کا خیال

بعض خواتین کا کہنا ہے کہ اس طرح تو رشتہ داری ختم ہو جاتی ہے۔تو پہلی بات تو یہ ہے کہ ان غیر محرموں کے ساتھ آپ کی رشتہ داری پہلے ہی کہاں قائم تھی جواب ختم ہو جائی گی...؟ ان مردوں کے ساتھ نکاح کرنا شرعاً آپ کے لیے حلال ہے اور پردہ کے بعد بھی حلال رہے گا۔دوسری بات یہ ہے کہ بے پردگی کے ساتھ جو محبت ہوئی ہے وہ درحقیقت محبت نہیں، بلکہ شہوت پرستی ہے، ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی مذاق اور نظارہ بازی کے ذریعے نفسانی جذبات کو تسکین دی جاتی ہے، ورنہ رشتہ داری کی بنیاد پر جو حقیقی محبت ہوتی ہے وہ تو ہر حال میں قائم رہتی ہے۔خواتین شرعی پردے کی پابندی کر کے تجربہ کریں، آپ کے دل کے سکون میں اضافہ ہوگا، آپ کی قدرومنزلت، عزت واحترام بڑھ جائے گا۔ظاہری طور پر دنیا والے عزت نہ بھی کریں، اللہ تعالیٰ کی نظر میں تو عزت ہی عزت ہوگی۔ان شاء اللہ تعالی دنیا وآخرت کی زندگی سکون والی ہوگی۔

گھر کے کئی افراد کا ایک ساتھ رہنا:

ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ اگر گھر کے کئی افراد ایک مکان میں رہنا چاہیں تو پردے کی وجہ سے تو ایک ساتھ رہنا ممکن ہی نہیں۔یا تو پردہ ختم کرنا ہوگا یا یکجا رہائش ختم کر کے منتشر ہونا پڑے گا؟ یہ اشکال بھی شرعی احکام سے جہالت اور ناواقفیت پر مبنی ہے، ورنہ ایک ساتھ رہتے ہوئے بھی شرعی پردے کی پابندی آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

گھر میں ساتھ رہنے والوں سے پردے کا طریقہ

جب مرد گھر میں آئے تو کھنکھارتے ہوئے آئے۔خواتین فوراً پردہ کرلیں اور مرد اپنے کمرے میں چلا جائے۔اسی طرح استنجاوغیرہ کے لیے جانے کی ضرورت ہو تو یہی طریقہ اپنائے، نیز مرد یہ اہتمام کرے کہ بھاوج کے مخصوص کمرے میں ہرگز نہ جائے۔اگر خواتین کو کچھ سودا سلف منگوانا ہو یا دیور یا

جیٹھ سے کوئی ضروری بات کرنی ہو تو دیوار کے پیچھے سے (آواز میں لچک پیدا کیے بغیر) کرے۔اگر کوئی چیز دینی یا لینی پڑے تو ہتھیلی ظاہر کرنے کی اجازت ہے۔ہاتھ باہر نکال کر دے اور لے سکتی ہے۔اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ پورے جسم کو ظاہر کیا جائے۔اسی طرح کھانا وغیرہ گھر کی عورتیں اور مرد الگ الگ جگہ بیٹھ کر کھائیں، اس فعل سے بہ آسانی پردے کے حکم پر عمل ہو سکتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ مرد و خواتین دونوں کے دل میں خوف خدا ہو اور دونوں شریعت کے اس حکم کو بجالانا چاہتے ہوں۔

اتنی مرتبہ تو دیکھ چکے

بعض خواتین کا کہنا ہے کہ وہ شخص چھوٹا تھا، اتنی مرتبہ دیکھ چکے یا تو وہ میرے بھائی کے برابر ہے یا میرے بیٹے کے برابر ہے وغیرہ۔بات یہ ہے کہ پہلے جتنا عرصہ بھی بے پردگی میں گذرا ہو اس سے پردے کا حکم ساقط نہیں ہوتا، جیسے کسی نے بلوغت کے بعد دو چار سال نماز نہ پڑھی ہو تو کیا اس سے موت تک کے لیے نماز معاف ہو جائے گی، ہرگز نہیں، بلکہ جب اللہ تعالیٰ توفیق دے نماز شروع کر دے اور فوت شدہ نمازوں کی قضا بھی کرے، اسی طرح پردے کے حکم میں بھی اگر چہ کچھ عرصہ اس پر عمل نہیں ہوا تو سابقہ بے پردگی سے توبہ کرے اور آئندہ کے لیے پابندی کرے۔باقی بھائی یا بیٹا جیسا ہونا شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔اس سے پردہ کا حکم ساقط نہ ہوگا، کیوں کہ پھر تو کوئی بھی مرد پسند آجائے، اگر ذرا معمر ہو تو اس کو باپ جیسا اور اگر جوان ہو تو بھائی جیسا کہہ کر پردہ ختم کر دیا جائے، تب تو شریعت ایک مذاق بن جائے گی۔

معاشرتی بگاڑ میں بے حیائی کا عنصر

بابو عمران قریشی

اللہ تبارک و تعالیٰ جہاں عدل و انصاف اور صلہ رحمی کا حکم فرماتا ہے وہاں ظلم و زیادتی، بدی اور بے حیائی کے کاموں سے منع فرماتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے ترجمہ "اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی اور بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے اور ہمیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم سبق لو (سورۃ النحل 90-)۔فحشا اور فاحشہ دونوں کا ایک ہی مطلب نکلتا ہے یعنی بدی، برائی اور قباحت کا حد سے آگے بڑھ جانا۔ہر قبیح خصلت جس سے اللہ تعالیٰ منع فرمائے وہ فاحشہ یا فحشا کہلاتی ہے۔چونکہ فواحش کا تعلق نفسانی خواہش سے ہوتا ہے اس لئے اِسے بے حیائی بھی کہا جاتا ہے۔فحش کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ شے جو اپنی حدود اور قدر سے تجاوز کر جائے وہ بھی فحش کہلاتی ہے اور اس کا پھیلاؤ فحاشی اور بے حیائی کہلاتا ہے۔

علامہ بیضاویؒ کے قول کے مطابق فحشا ایسی کھلی ہوئی برائی ہوتی ہے جو اعلانیہ سرعام کی جائے اور یہ سب برائیوں کی جڑ ہوتی ہے۔اس سلسلے میں بعض افعال و اعمال بھی ایسے ہیں جو بذاتِ خود تو فاحشہ نہیں ہوتے لیکن بے حیائی یا بدی کی طرف لے جاتے ہیں۔اس لئے ان اعمال سے بھی روکا گیا ہے۔اس لئے ایسے لباس کے استعمال سے بھی منع کیا گیا ہے جو جسم کی نمائش کرے کیونکہ اس سے نفسانی خواہش میں اشتعال پیدا ہوتا ہے جو برائی کی طرف دھکیلتا ہے۔فحاشی، عریانی، جنسی اشتعال انگیزی جرائم اور ابدی تقدیس کی ہر خلاف ورزی برائی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔علامہ بیضاوی کے قول کے مطابق فحشا اور منکر کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جو برائیاں ظاہر ہوں اور شرع نے حکم عدولی کہہ کر ان کو منع کیا ہوا اور وہ جو پوشیدہ ہوں ان کو منکر کہتے ہیں۔

مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ بے ہودگی، شرمناک عریانی، چوری، شراب نوشی اور تمام شرمناک افعال وغیرہ اس طرح کھل کر ہر بُرا کام نہ صرف کرنا بلکہ اس کو پھیلانا فحش کہلاتا ہے۔مثلاً بدکاریوں پر اُبھارنے والے افسانے، فلمیں، عریاں تصویریں، عورتوں کا بن سنور کر منظرِ عام پر آنا۔اسٹیج پر عورتوں کا ناچنا گانا اور مردوں اور عورتوں کا اختلاط فحاشی پھیلانے میں آتے ہیں۔مولانا نے منکر کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ بُرائی ہے جسے انسان برا سمجھتا ہے اور شریعت نے ان سے منع فرمایا ہے۔ارشادِ

باری تعالیٰ ہے کہ "اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ وہ کھلی ہوں یا چھپی ہوئی" (الانعام 151-)۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو اس کی پیروی کوئی کرے گا تو وہ اسے فحش اور بدی ہی کا حکم دے گا" (النور 21-)۔ جو لوگ اقتدار حاصل کرنے کے بعد اللہ کی مدد کرتے ہیں اور اس کی تائید ونصرت حاصل کرتے ہیں ان کی یہ صفات بیان فرمائی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے ترجمہ "یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہیں" (سورۃ الحج 41-)۔ اس سلسلے میں صاحبِ اقتدار لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ بدکاری کے اڈے ختم کریں، بداخلاقی کے لئے ترغیب دینے والے ذرائع کا سدِ باب کریں۔ بلکہ اسلام کا منشا تو یہ ہے کہ اگر کوئی بے حیائی اور بدی پھیلانے کی ترغیب دے تو اس کا مال بحقِ سرکار ضبط ہو جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے چھوٹے گناہوں پر گرفت نہیں کرتا جو فحاشی اور کبیرہ گناہوں سے اپنے دامن کو بچا کر رکھتے ہیں۔ بے حجابی، عریانی اور بے حیائی اگر کہیں سرائیت کرتی نظر آتی ہے تو اس سے معاشرتی بگاڑ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ نمائشِ حُسن اور آرائش جمال، فحاشی کے اڈے، قحبہ خانے اور شراب خانوں وغیرہ سے مسلمان معاشرے کا دُور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ ہماری تہذیب وثقافت نہیں ہے۔

دینِ اسلام دنیا کے سامنے ہمیشہ ایک نمونے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ آج بھی اگر ہم اسلام کو بطورِ ایک نمونہ کے پیش کرنا چاہیں تو ہمیں بے حجابی، عریانی، عورتوں اور مردوں کے اختلاط اور فحاشی کے تمام ذرائع سے خود کو دور رکھنا ہوگا۔ اُمتِ مسلمہ اگر خلوصِ دل سے اِن تقاضوں کو پورا کرے تو غلبۂ اسلام کا غروب نہ ہونے والا سورج ایک بار پھر اس آسمان پر چمکے گا اور پوری دنیا اِس کی ضیاء پاشیوں سے منور ہو گی۔ بے راہ روی کی ایک وجہ بے پردگی بھی ہے۔ بدقسمتی سے ہم نے پردہ کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھ کر اِس کو تقریباً ختم کر دیا ہے۔ جبکہ حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق پردے کی سختی سے تلقین فرمائی ہے۔ محرم اور نامحرم کا امتیاز پیدا کر کے قوانین وضوابط ارشاد فرمائے ہیں تا کہ ممکنہ برائی کو پھیلنے ہی نہ دیا جائے جو آگے چل کر پورے اسلامی معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

اِس سلسلہ میں ازواجِ مطہرات کو بھی گھروں سے نکلنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ بدقسمتی سے فیشن پرستی اور دوسروں کی نقالی میں؟ جبکہ مسلمان بہت آگے نکلنے کی کوشش میں ہیں اور اپنی شناخت کھو بیٹھے ہیں۔ اِس سے ایک طرف تو اسلامی اقدار مجروح ہوئی ہیں اور دوسری طرف یہی لوگ معاشرے میں بگاڑ

کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ دوسروں کی نقالی کرنے والے احساسِ کمتری میں مبتلاء ہوتے ہیں۔نقالی نہ صرف لباس، رہن سہن اور کھانے پینے کی چیزوں میں کی جاتی ہے بلکہ مردزنانہ لباس اورعورتیں مردانہ لباس میں خودکودیکھنا قابلِ فخر سمجھتی ہیں۔

رسولِ پاک ﷺ نے فرمایا ہے ترجمہ "لعنت ہے ان عورتوں پر جومردوں سے مشابہت پیدا کرتی ہیں اوران مردوں پر جوعورتوں سے مشابہت پیدا کرتے ہیں"۔آج معاشرہ بدامنی، بے چینی کے دور سے گزر رہا ہے۔قتل وغارت گری، ڈاکے، راہزنی، نسل کشی، اور بے راہروی کا بازارگرم ہے۔شرعی احکام کی پابندی کے بجائے اس پرمذاق کیا جاتا ہے۔ایسے میں اس کی اصلاح کے لئے اسلامی احکامات کو بحثیت نظام زندگی غالب کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے جوایک صالح قیادت ہی کرسکتی ہے۔عصمت کی حفاظت اور بے حیائی کا سدِ باب کرنے کے لئے اسلام نے عورتوں کے لئے پردہ لازم قراردیا اورساتھ ہی مردوں کوغیرمحرم عورتوں کی طرف بُری نظروں سے دیکھنے سے منع کیا گیا ہے بلکہ نگاہیں نیچی رکھنے کاحکم ہے۔خوش نما لباس پہننا، زیور، سرمہ، ہاتھ پاؤں وغیرہ کی مختلف آرائش جوعموماً عورتیں کرتی ہیں اس کو اپنے خاوند کے لئے جائزقراردیا گیا ہے۔اسی طرح باریک لباس زیب تن کرنا بھی منع ہے جس سے جسم نمایاں طور پرنظرا؟تا ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ جب کسی قسم کی بداعمالیاں حد سے تجاوز کرجاتی ہیں تو پہلے خدا کی صنعت ورحمت اور قانون اِسے مہلت دیتا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرلے۔جب اس پربھی وہ اپنی روش نہ بدلےتو خدا کا قانوں حرکت میں آتا ہےاورعذاب آخرت کے علاوہ دنیا ہی میں اِسے ذلت اور پستیوں میں پھینک دیا جاتا ہے۔مسلمانوں کے لئے زندگی کا سرچشمہ اورنصب العین دین اسلام ہے۔ مسلمانوں کودنیاوی عروج اِسی کے ذریعے حاصل ہوااورآئندہ بھی اِس کے سہارے زندہ رہناممکن ہوسکتا ہے۔ایمان وعمل کی اُصولی روح خدا کی ذات پراعتماد،توکل سعی وعمل، اِیثاروقربانی، اخلاص وصداقت، سادگی اور جفاکشی وغیرہ وہ اوصاف ہیں جواخلاقی فاصلہ پیدا کرتے ہیں اور جودین کی ترقی کے ساتھ دنیوی ترقی کے بھی سب سے بڑے وسائل ہیں۔جوقومیں اِن اوصاف سے متصف ہوتی ہیں اِن کودنیا کی کوئی طاقت نہیں دباسکتی کیونکہ ملک وقوم کی صحیح خدمت بھی دین ہی کے ذریعے ہوسکتی ہے۔

برصغیر میں قیام مدارس کا پس منظر

مولانا محمد زکریا کیرانوی

اسلام کی روشن شعاعوں نے بحیرۂ عرب سے گزر کر سواحل ہند کو زمانۂ نبوی ہی میں منور کر دیا تھا، چنانچہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ جو نبوت کے آٹھویں یا نویں سال پیش آیا تھا۔ ہندوستان میں بھی یہ معجزہ کئی لوگوں نے دیکھا تھا، تحقیق کے بعد جب ان کو حقیقت حال معلوم ہوئی کہ عرب میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، لوگوں نے نبوت کی دلیل کے طور پر اُن سے چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کیا۔ ان کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا تھا تو بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے، ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں اس واقعہ کی شہرت تھی، اس لئے وہاں کے لوگ عرب مسلمانوں کو احترام و عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنے ملک میں ان کا والہانہ استقبال کرتے تھے، ان علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کا یہی سبب ہوا۔

ڈاکٹر پروفیسر عبدالحمید نے اپنی کتاب ''محمد رسول اللہ'' کے پیراگراف ۲۴۰ میں لکھا ہے

> ''راجہ چکرورتی فارمانے اپنے بیٹے کو اپنا نائب بنایا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا، اس نے عرب پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جب وہ اپنے وطن لوٹ رہا تھا تو یمن میں مقام ظفر پر اس کا انتقال ہو گیا، یہاں اس کی قبر ہے یہاں 'ہندوستانی راجہ'' کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔

(انڈیا آفس لندن کے ایک مخطوطہ عربی ۲۰۸۷ ص ۱۵۲ تا ۱۷۳ میں اس بارے میں کافی تفصیل سے لکھا ہے)

لالہ ہنس راج بی اے کو سواحل مالابار کی سیر کے دوران مالابار میں اسلام کے پھیلنے کا راز معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا، اس جستجو کے دوران ان کو ایک پرانے مندر میں سنسکرت زبان کی ایک تاریخی دستاویز میں مذکورہ واقعہ لکھا ہوا ملا۔ وہ آخر میں لکھتے ہیں کہ راجہ نے اعیان مملکت اور سرداران رعایا کو بلایا اور یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد سات آدمیوں کو مکہ مکرمہ تصدیق رسالت کے لئے روانہ کیا۔ جب وہ لوگ واپس آئے تو راجہ مسلمان ہو گیا اور اس کے ساتھ اور بہت سے لوگ بھی مسلمان ہوئے۔ (منقول اخبار اہل سنت والجماعت ۱۹۲۷ء)

اسلام کا ابر کرم رب ذو الجلال کی رحمت کے جھونکوں سے سرزمین ہند کی طرف بڑھتا رہا اور اس سرزمین پر جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی خوشبو آئی تھی جم کر موسلا دھار برسا۔عرب جہاں اسلام کا بدر منیر طلوع ہوا ہندوستان کے پڑوس ہی میں ہے اسی لئے ہندوستان سے عربوں کے روابط بہت قدیم ہیں۔

ہند میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ پہلی صدی ہجری کے آغاز ہی میں شروع ہو گیا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مبارک قدموں نے بھی سرزمین ہند کو عزت بخشی، مالابار اور گجرات کی سرزمین میں کئی ایک آسودۂ خاک بھی ہیں، سواحل ہند اور ان سے متصل علاقوں، سیلون، مالدیپ، کیرالہ، گجرات وغیرہ میں مسلمان تاجر علماء، صلحاء بڑی تعداد میں آباد ہو گئے تھے۔ان ہی نفوس قدسیہ کی مساعیٔ جمیلہ، حسن اخلاق اور بے داغ کردار سے باشندگانِ ہند اعلی اسلامی تعلیمات، سماجی مساوات اور روح پرور طرز حیات سے واقف ہو کر برضا و رغبت جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔

اسلامی لشکر بھی ایران وخراسان کو روندتا ہوا ہندوستان کی طرف قدم بڑھاتا رہا۔۸۵ھ میں سندھ میں محمد بن قاسم کی حکومت قائم ہوگئی تھی، اس کے بعد مسلم سلاطین ہندوستان کا رخ کرتے رہے، ہندوستان کے وسط دہلی میں چھوٹی بڑی مسلم حکومتیں بنتی اور اجڑتی رہیں، آخر میں مغلوں کی مضبوط و مستحکم حکومت وجود میں آئی اور گیارہویں صدی ہجری میں سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کی ایسی عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی جس کی نظیر تاریخ ہند میں موجود نہیں اور ایسا وسیع وعریض ہندوستان ماضی میں چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھا تھا آئندہ کے لئے ہم دعا گو اور امیدوار ہیں۔

مسلمان خیر امت ہے جہاں بھی گئے، خیر لے کر گئے اور وہاں کے باشندوں میں خیر دل کھول کر لٹائی علم (جو ہر خیر کا سرچشمہ ہے) کی ترویج واشاعت میں بھی انہوں نے پوری فیاضی کا مظاہرہ کیا، تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی ان کے مبارک ومسعود قدم پہنچے ان کے ذوق علم نے چپہ چپہ پر مدارس اور تعلیم گاہوں کا جال بچھادیا، اسلامی دنیا کا کوئی قابل ذکر گوشہ ایسا نہیں جو ان کی علمی فیاضی سے محروم رہا ہو، مسلم علماء وصلحاء اور سلاطین وامراء نے سرزمین ہند کو اپنا وطن بنا کر علوم وفنون، عدل وانصاف، سماجی مساوات، اعلیٰ اقدار، قابل فخر تہذیب وثقافت غرض وہ سب کچھ دیا جس کی اس کو ضرورت تھی اور جس نے اس کو تاریخ عالم میں ممتاز مقام عطا کیا جس کے انمٹ نشان آج بھی گواہی کے لئے موجود ہیں۔

علماء نوازی اور طلباء پروری میں مسابقت کو مسلم سلاطین وامراء اپنے لئے دنیا میں باعث فخر ومباہات

اور آخرت میں ذریعہ نجات سمجھتے تھے اس لئے علوم وفنون کی ترویج واشاعت مسلم حکومتوں کی امتیازی خصوصیت رہی اور انہی کی بدولت مدینہ منورہ اور بغداد کی طرح ملتان، لاہور، جون پور، لکھنؤ اور دہلی کو "مدینۃ العلم" ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

علامہ مقریزی کی روایت کے مطابق سلطان محمد تغلق ۱۳۲۴ء۔۱۳۵۱ء کے دور حکومت میں دہلی میں ایک ہزار مدرسہ موجود تھے، مدرسین کو شاہی خزانے سے تنخواہ دی جاتی تھی، خود محمد تغلق بڑا عالم، فاضل، علم دوست، علماء پرور بادشاہ تھا، قرآن مجید کی طرح اکثر علوم وفنون کی کتابیں حفظ یاد تھیں، ہدایہ کی چاروں جلدیں اس کی نوک زبان پر تھیں اس کے زمانہ میں تعلیم اس قدر عام تھی کہ کنیزیں بھی حافظ قرآن اور عالم ہوتی تھیں، محمد شاہ تغلق کے جانشین فیروزشاہ تغلق نے لڑکیوں کے لئے جداگانہ مدارس قائم کئے، مشہور سیاح ابن بطوطہ نے مہاراشٹر کے ایک قصبہ "ہرنور" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں عورتیں بھی حافظ قرآن اور عالم ہوتی ہیں اس نے اس قصبہ میں لڑکیوں کے دس مدارس دیکھے تھے۔

شاہ اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۶۸ھ تا ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۶۵۷ء تا ۱۷۰۶ء) نے بے شمار مدارس قائم کئے (ان کے باقیات آج تک ملتے ہیں) علماء کے لئے جاگیریں اور طلباء کے لئے وظائف مقرر کئے۔

اس نیک دل، علم دوست بادشاہ کے مساعی جمیلہ سے ہر شہر ہر قصبہ اور دیہات تک میں علم کی شمع روشن ہوئی، ان کے زمانہ میں سندھ کے ایک شہر ٹھٹھ میں مختلف علوم وفنون کے چار سو کالج تھے، برطانوی حکومت سے پہلے بنگال میں اسی ہزار مدارس تھے، حکومت اور دولت جب اہل اور دیانتدار کے سپرد کی جاتی ہے تو خدمت خلق، عدل وانصاف، حق وصداقت کا غلبہ امن وامان اور خوشحالی لاتی ہے اور جب محض وراثت یا طاقت وقوت کے بل بوتے پر نااہل کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے تو آرام طلبی، لذت اندوزی، عیش کوشی، جاہ پرستی، غفلت اور خرافات وفضولیات میں انہماک کا ذریعہ ہوتی ہے، برسر اقتدار قوم میں جب یہ روگ لگ جاتا ہے تو اس کے زوال کا آغاز ہو جاتا ہے، ایک دن انجام یہ ہوتا ہے کہ ان کی عزت وعظمت کا قلعہ مسمار، شیرازۂ وحدت سبوتار، شاندار روایات پامال اور رفعت وسربلندی کی عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے، عوام بدامنی، ناانصافی، استحصال، لوٹ کھسوٹ، قتل وغارت گری، جہالت اور افلاس سے دوچار ہو جاتے ہیں، شاہ اورنگ زیبؒ کے بعد شاہان مغل کا حال کچھ ایسا ہی ہوا۔

انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں یہاں آیا اور اپنی عیارانہ چالوں سے ہندوستان کی اینٹ سے

اینٹ بجادی، دین و مذہب، تہذیب و ثقافت، ہندوستان کی معیشت، صنعت وحرفت، زراعت وتجارت اور شرفاء کی شرافت وعزت ہر چیز کو اس طرح ملیامیٹ کیا کہ اس کا درد وکرب موجودہ نسل بھی محسوس کرتی ہے۔

ملکہ الزبتھ کی اجازت سے ۱۰۰۹ھ مطابق ۱۶۰۰ء میں ہندوستان میں تجارت کے لئے ایک سو ایک تاجروں نے ۳۵؍ ہزار پونڈ کا سرمایہ جمع کرکے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے ایک فرم بنائی، کولکاتہ کو اصل مرکز بناکر مختلف مقامات میں اس کے دفاتر کھول دئے، ایک سو سال کے عرصہ میں اکثر وبیشتر تجارتی معاملات ان کی مٹھی میں آگئے پھر اپنی تجارت کے فروغ اور اپنے پوشیدہ عزائم کو بروئے کار لانے کے لئے سیاسی اثر ورسوخ بڑھانے سے ابتداء کی اور کرناٹک، بنگال، بہار کی حکومت پر قابض ہوکر دہلی کی طرف بڑھنے لگا، بنگال میں سراج الدولہ کی شکست اور کرناٹک میں ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد اس کی راہ مزید آسان ہوگئی تھی۔

۱۸۵۷ء تک لال قلعہ کا تاجدار اگرچہ کوئی مغل شہزادہ ہوتا رہا مگر انگریز اس سے پہلے ہی دروبست پر قابض ہوگیا تھا۔

اس نے اپنے دور حکومت میں ہندوستانیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا وہ ہم انہی کی زبانی سناتے ہیں:

میلکم لوپٹن جج عدالت مدراس نے ایک رسالہ میں لکھا کہ

''ہم نے ہندوستان کی ذاتوں کو ذلیل کیا ان کے مذہبی رسم ورواج کی توہین کی، عبادت خانوں کی جاگیریں ضبط کیں، لوٹ کھسوٹ سے ملک کو تباہ کیا، تکلیف دیکر مال گزاری وصول کی، اونچے خاندانوں کو برباد کرکے آوارہ گرد بنانے والے بندوبست کئے''۔

مسٹر میٹرو فریمین ممبر ہاؤس کامنس اور صدر کامن ویلتھ آف انڈیا لیگ کہتا ہے ''ایک سو برس کے برطانوی راج میں ہندوستانیوں پر جو مصیبت نازل ہوئی اس سے زیادہ مصیبت ناممکن ہے''۔

ڈبلیو ایس بلنٹ کہتا ہے:

''میں مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر ہم اسی طرح حکومت چلاتے رہے تو ایک دن وہ آئے گا کہ ہندوستانی مجبور ہوکر ایک دوسرے کو کھانے لگیں گے کیونکہ ان کو کھانے کے لئے اپنے ہم جنسوں کے سوا کوئی چیز نہیں ملے گی''۔

سر جان شور لکھتا ہے:

''انگریز حکومت کی پیس ڈالنے والی زیادہ ستانی نے ملک اور اہل ملک کو اتنا مفلس کردیا ہے کہ اس

کی نظیر ملنا مشکل ہے''۔

معاشی اعتبار سے عام ہندوستانیوں کی کمر توڑنے کے علاوہ نوابوں، راجاؤں کے ساتھ ان کی روش انتہائی ہوس وخود غرضی پر مبنی تھی، نواب کی مسند نشینی کو اپنے لئے حصول دولت کا ذریعہ بنالیا تھا، نیا نواب ان کے لئے از سر نو دولت کے دروازے کھول دیتا، ایک نواب کی جگہ دوسرا نواب بٹھا کر اس کے خزانے پر ہاتھ صاف کرنے کے بعد تیسرے اور تیسرے کے بعد چوتھے کا یہی حشر کرتے۔ایک کے بعد ایک ریاست ختم کر کے اپنی حکومت میں ضم کرتے رہے، ہندوستان کو لوٹ کھسوٹ کر انگلستان (برطانیہ، انگلینڈ) کا خزانہ بھرتے رہے۔

تعلیمی پالیسی ایسٹ انڈیا کے ڈائرکٹر کے اس بیان سے واضح ہوتی ہے:

''تم ہندوستانیوں کو تعلیم دینا چاہتے ہو؟ تعلیم دیکر ان کو اپنی ناانصافیوں پر آگاہ کرو گے؟؟ تم نے ان کا ملک لوٹا، ان کی قوموں کو برباد اور ذلیل کیا، ان کے بادشاہوں کو قتل کیا، تمہاری سلامتی اس میں ہے کہ ان کو فریب خوردہ، خود فراموش اور جاہل رہنے دو''۔

جس قدر انگریز کی گرفت مضبوط ہوتی گئی، خواندگی کا تناسب گھٹتا گیا، ۹۲ فیصد لوگ ناخواندہ ہو گئے تھے اس لپیٹ میں مسلمان زیادہ آئے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نصاب تعلیم اور طرز تعلیم میں دین وایمان کی حفاظت بہت دشوار تھی، اس وقت انگریزی تعلیم مذہب عیسوی کی تعلیم کے مترادف سمجھی جاتی تھی۔

چنانچہ برطانوی حکومت نے تسلیم کیا تھا کہ مسلمانوں کو اس قدر گھاٹے میں رکھا گیا ہے کہ اسکولوں میں مسلمان بچوں کا کم تعداد میں ہونا حیرت انگیز نہیں بلکہ ان حالات میں ان کا موجود ہونا ہی حیرت انگیز ہے۔اس کی وضاحت ۱۲/اکتوبر ۱۸۳۶ء کو لارڈ میکالے کے اپنی والدہ کو لکھے گئے خط سے ہوتی ہے۔

اس نے لکھا تھا ''ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے جو رنگ ونسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں تو دل ودماغ کے اعتبار سے فرنگی ہوں''۔

اپنی حکومت کے استحکام اور ہندوستان پر ہمیشہ حکومت کرنے کی ہوس نے ان کو یہ بھی سجھایا تھا کہ ہندوستانی رعایا کو عیسائی بنالیا جائے اور اس کے لئے نوکریوں اور چھوکریوں سے لے دھونس اور دھمکی تک ہر ممکن طریقہ اختیار کیا۔

پادری اینڈ منڈ کہتا ہے کہ ''ہماری گورنمنٹ کا دلی ارادہ ہے کہ مذہب اور رسم ورواج میں مداخلت کرے، کیا ہندو کیا مسلمان سب کو عیسائی مذہب اور اپنے ملک کے رسم ورواج پر ڈالے''۔

لارڈ میکالے لکھتا ہے:

''اگر میرے تعلیمی منصوبہ پر عمل کیا گیا تو مجھے پختہ یقین ہے کہ زیادہ سے زیادہ تیس سال بعد بنگال میں ایک بھی بت پرست (غیر عیسائی) نہیں رہے گا''۔

انگریز آفیسر اپنے ملازموں کو حکم دیتے: ہماری کوٹھی پر آکر پادری کا وعظ سننا اور ایسا ہی کرنا پڑتا۔ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ ہندوستانیوں کو اتنا مجبور اور تنگدست کردیا جائے کہ وہ عیسائیت کی جھولی میں گرنے پر مجبور ہو جائیں۔۱۸۳۲ء کی قحط سالی میں یتیم ہونے والے بچوں کی کفالت کے نام پر عیسائی بنالیا گیا۔

بڑے بڑے پادریوں کی خدمات حاصل کی گئیں تھیں، پادری جماعت بنابنا کر بازاروں، گلیوں محلوں اور محفلوں میں گشت کرتے تھے، قابل ذکر کوئی خوش نصیب شہر اور قصبہ ہوگا جس کو ان کے منحوس قدموں نے نہ روندا ہو، ان کی تبلیغی سرگرمیاں آندھی اور طوفان کی طرح پورے ہندوستان پر چھا گئی تھیں وہ خصوصاً مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج دیتے اور یہ ظاہر کرتے کہ مسلمان علماء ہم سے مناظرہ کا حوصلہ نہیں رکھتے، نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ انگریزوں میں اپنی کامیابی کی بڑی خوش فہمی پیدا ہوگئی تھی، وہ برملا یہ کہنے لگے تھے کہ جس طرح ہمارے بزرگ کل کے کل ایک ساتھ عیسائی ہوگئے تھے کل ہندوستان بھی ایک ساتھ عیسائی ہو جائے گا۔

ہندوستانیوں کے ساتھ انگریزوں کے ظالمانہ برتاؤ، مذموم عزائم اور ناپاک کوششوں کا خلاصہ اس طرح کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ہندوستان کی دولت لوٹ کھسوٹ کر انگلستان کا خزانہ بھرنا۔

(۲) ہندوستانیوں کو اتنا تنگ دست اور جاہل بنا دینا کہ ان میں سرتابی کی سکت باقی نہ رہے۔

(۳) پورے ہندوستان کو عیسائی بنانا تاکہ انگریزوں کی بالادستی اور حکومت کو دوام حاصل ہو۔

(۴) پھوٹ ڈالو حکومت کرو۔بھی انگریزوں کی مذموم پالیسی اور منحوس وراثت ہے، قادیانیت اور بریلویت اسی کی دین ہے، انہوں نے مسلمانوں کو وہ نقصان پہنچایا جو تمام تر وسائل اور پیہم کوششوں کے باوجود عیسائی مشنریاں نہیں پہنچاسکی تھیں، اسی نے فرقہ پرستی کو جنم دیا جس کے زہریلے جراثیم سے ہندوستانی معاشرہ آج بھی اس لاعلاج بیماری میں مبتلا ہے۔

اس صورتحال سے ہر ذی شعور ہندوستانی کرب و بے چینی میں مبتلا اور مستقبل کے بارے میں فکر مند تھا مگر پنجۂ استبداد اتنا مضبوط ہوگیا تھا کہ رہائی کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی کچھ بوریہ نشین جن کو

اسباب کی کمی اقدام سے نہیں روکتی آگے بڑھے اور جنگ آزادی کی قیادت کی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے انقلاب کی راہ ہموار کی،۱۷۹۶ء میں شاہ عبدالعزیز کے جہاد حریت کے فتوی نے آزادی کی روح پھونکی اور ۱۸۲۰ء میں سب سے پہلے سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے تحریک آزادی کو منظم کر کے مسلح جدوجہد آزادی کا آغاز کیا اور سرحدی علاقوں میں ایک متوازی حکومت قائم کر کے دہلی کی طرف بڑھنا شروع کیا۔۱۸۳۱ء میں ان دونوں قائدین کی شہادت کے سبب یہ تنظیم اپنی سرگرمیاں جاری نہ رکھ سکی مگر ہندوستان کی آزادی کا تصور عام کرگئی، کچھ کرگزرنے کا جذبہ اور دنیا کی سپر پاور سے ٹکرانے کا حوصلہ چھوڑ گئی اور آفتاب حریت کے طلوع ہونے کی امیدیں جگا گئی حتی کہ ۱۰ رمئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ چھاؤنی سے بغاوت کی ایک چنگاری اڑی اور کل ہند جنگ آزادی میں تبدیل ہوگئی۔

تھانہ بھون میں بھی ولی اللہی مکتبہ فکر کی تربیت یافتہ اور سید احمد شہیدؒ سے نسبت رکھنے والی ایک جماعت نے مسلح محاذ آزادی قائم کیا جس میں حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امیر المومنین حضرت حافظ ضامن شہید صاحب علیہ الرحمہ امیر جہاد حریت ،حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کمانڈر انچیف ، حضرت مولانا منیر احمد صاحبؒ فوجی سکریٹری،حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی وزیر لام بندی،سید حسن عسکری قلعہ معلی سے نمائندگی کے لئے منتخب ہوئے، تھانہ بھون، شاملی، کیرانہ میں میدان کارزار گرم ہوا،ان جانبازوں نے انگریز پلٹن کو شکست دے کر توپ خانہ چھین لیا اور تحصیل شاملی کو فتح کرلیا۔

حضرت حافظ ضامن صاحب نے جان کا نذرانہ پیش کرے درجہ شہادت حاصل کیا۔ملک بھر میں آزادی کے متوالوں نے بڑی بہادری سے آزادی کا پرچم بلند کیا اور ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ انگریز اب بوریہ بستر سمیٹنے ہی والا ہے مگر انگریزی افواج نے بڑی بے دردی سے اس بغاوت یا جنگ آزادی کو کچل دیا اور ایسی بربریت کا مظاہرہ کیا جس پر آج وہ خود بھی شرمندہ ہوں گے ۔میدان کارزار کے پاس شاید ہی کوئی ایسا درخت ہو جس پر مظلوم ہندوستانیوں اور شہید مسلمانوں کی نعشیں نہ لٹکی ہوئی ہوں۔

بقول شخصے ’’گورے شہر کی گلیوں میں پھیل گئے، مکانوں کے دروازے توڑ کر اندر گھس گئے،عورتوں سے جو چاہا کیا،سیکڑوں عورتیں اپنی عفت بچانے کے لئے کنویں میں گر گئیں، بچوں،عورتوں، مردوں کو جہاں پایا قتل کیا، ہرطرف لاشوں سے گلیاں بھر گئیں،خون برسات کے پانی کی طرح بہنے لگا، دہلی میں مہینوں تک قتل عام ہوا،معزز ہستیوں کو گرفتار کر کے پھانسی پر چڑھایا گیا، لاہوری دروازہ سے چاندنی

چوک تک زمین لاشوں سے ڈھک گئی تھی ، دہلی سے آگرہ تک کوئی درخت ہوگا جس پر کسی ہندوستانی کی لاش لٹکی ہوئی نہ ہو"

میجر ٹامسن نے اپنی ڈائری میں لکھا:

"ہم پھانسی دینے میں عام طور سے آم کی درخت اور ہاتھی کو استعمال کرتے ،ملزم کو ہاتھی پر بٹھا کر درخت کے نیچے لیجاتے اوپر رسی ڈال کر ہاتھی کو ہنکا دیتے وہ اکثر اوقات جان کنی کی حالت میں تڑپتے ہوئے 8 کے ہندسہ کی دلچسپ شکل بن جاتا ،ہندوؤں کے منھ میں گائے کا گوشت ٹھونسا جاتا اور مسلمانوں کو سور کی کھال میں سی دیا جاتا ،محض سیاہ رنگ ہی مجرم ہونے کی کافی دلیل سمجھ لیا گیا تھا ،لیفٹیننٹ مجنڈی نے لکھا ایک زخمی کا چہرہ سنگینیں مار مار کر چھیدا گیا۔پھر آگ پر رکھ کر بھونا گیا ،خوفناک بو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا ،سخت قسم کا دھواں اڑ رہا تھا اور یہ سب کچھ اس صدی میں ہو رہا تھا جب انگریز اپنے مہذب ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا"۔

۲۵/ستمبر ۱۸۵۷ء کو پوری دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا ،آخری مغل تاجدار شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون میں قید کر دیا ،۱۸/نومبر ۱۸۵۷ء کو چوبیس شہزادوں کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔

انگریز نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی نیز ظلم و ناانصافی کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور جان کی بازی لگا دینے کا حوصلہ بنسبت دیگر اقوام کے ان میں کچھ زیادہ ہی ہے وہ اللہ ، رسول ،قرآن اور دین وایمان کو آج بھی اپنی باعافیت زندگی پر ترجیح دیتے ہیں ،یہ حقیقت حکمراں طبقہ سے پوشیدہ نہیں تھی بلکہ جنگ آزادی سے چودہ برس پہلے گورنر جنرل نے کہہ دیا تھا کہ

"اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمان بنیادی طور پر ہمارے مخالف ہیں"

۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بہانہ جی بھر کر اس مخالفت کا بدلہ لیا گیا ،ایک ہندو مؤرخ میورام نے لکھا ہے کہ ایک اندازہ کے مطابق ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ۵/لاکھ مسلمان کام آئے اور اکیاون ہزار علماء کرام شہید کئے گئے ،صرف دہلی میں پانچ سو علماء کو پھانسی دی گئی ،انگریز لمبی داڑھی اور کرتے کے اتنے خلاف تھے ،جہاں اس قسم کے لوگوں کو دیکھتے پھانسی دیدیتے۔

اس دن (۲۵/ستمبر ۱۸۵۷ھ) جامع مسجد دہلی بھی انگریزوں کے قبضہ میں آگئی اور مسجد کے صحن میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔

"یہ مسلمان گوجرانوالہ اور منٹگمری سے گرفتار کر کے لائے گئے تھے ،شاہی مسجد (لاہور) میں ان کی پھانسی کا انتظام کیا گیا تھا تا کہ مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے ،مسجد کیا تھی ،مقتل تھا ،معرکہ کارزار

تھا جس میں بے گناہوں کا خون بہایا جا رہا تھا۔

میجر نکلسن نے ایک خط مسٹر ایڈورڈ کے نام لکھا کہ ’’شام کے وقت ایک سکھ اردلی میرے خیمہ میں آیا اور سلام کے بعد کہا غالباً آپ یہ دیکھنا پسند کریں گے کہ قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے میں فوراً لپک کر قیدیوں کے خیمہ میں گیا جہاں ان بد بخت مسلمانوں کو عالم نزع میں بے حال پایا، ان کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں وہ برہنہ زمین پر پڑے ہوئے تھے، سر سے پیر تک تمام بدن گرم تانبہ سے داغا گیا تھا اس روح فرسا منظر کو دیکھ کر میں نے اپنے پستول سے خاتمہ کر دینا ہی ان کے حق میں بہتر سمجھا‘‘۔

مسٹر کوپر لکھتا ہے کہ جب دس دس کی ٹولی کو یکے بعد دیگرے گولی سے اڑاتے ہوئے ڈیڑھ سو باغی مارے جا چکے تو قتل کرنے والوں میں سے ایک غش کھا کر گر گیا جو سب سے بوڑھا تھا، اس لئے آرام کا وقفہ دیا گیا، پھر قتل کی کارروائی شروع کی، تعداد ۲۳۵ رتک پہنچ گئی تھی، باقی باغیوں نے برج سے باہر آنے سے انکار کر دیا تھا جہاں وہ چند گھنٹے پہلے عارضی طور پر قید کئے گئے تھے، اس برج کے دروازے کھولے گئے تو ایک نہایت دردناک نظارہ دیکھنے کو ملا جس سے بلیک ہال کی یاد تازہ ہوگئی، ۴۵ رنعشیں لائی گئیں، جو خوف، گرمی ،صعوبت سفر اور دم گھٹنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہلاک ہو گئے تھے، مردہ اور نیم مردہ نعشوں کو بھنگیوں کے ہاتھوں قریب کے کنویں میں پھنکوایا گیا، یہ سب مسلمان تھے اور یہ دن بقرعید کا دن تھا‘‘

اس پر مسٹر لارنس وغیرہ نے مسٹر کوپر کو مبارک باد کے خط لکھے۔

یہ داستان بہت طویل ہے، یہ چند اقتباس اس زمانہ کی صورتحال کی وضاحت کے لئے لکھے گئے ہیں ،مرزا غالب کا خط مورخہ ۹ رجنوری ۱۸۵۸ء بھی اس زمانہ کا عکاس ہے۔

> ’’جو دم ہے غنیمت ہے اس وقت مع اہل وعیال جیتا ہوں، بعد گھڑی بھر کے کیا ہو کچھ معلوم نہیں قلم ہاتھ میں لئے بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے مگر لکھ نہیں سکتا اگر مل بیٹھنا قسمت میں ہے تو کہہ لیں گے ورنہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ایک اور خط میں لکھتے ہیں ’’اردو بازار نہ رہا اردو کہاں؟ دلی کہاں ؟واللہ اب شہر نہیں کیمپ ہے، چھاؤنی ہے، نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ ہنر‘‘۔مرزا غالب کی نظم کا یہ ٹکڑا بھی قابل دید ہے۔

چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے
گھر نمونہ بنا ہے زنداں کا
شہر دلی کا ذرہ ذرۂ خاک
تشنۂ خون ہے ہر مسلمان کا

جب انگریز نے بڑی بے رحمی سے اس بغاوت پر قابو پالیا اور رفتہ رفتہ پورے ملک پر غلبہ حاصل کرلیا تو اس میں حصہ لینے والوں اور قائدانہ کردار ادا کرنے والوں کی تلاش پکڑ دھکڑ اور سزا دینے کا سلسلہ شروع ہوا، ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، رؤساء کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتارا گیا، کسی کو سولی پر لٹکایا گیا اور کسی کو عبور دریا ءشور کی سزا سنائی گئی اور جدوجہد آزادی کے مراکز کو کھنڈرات میں تبدیل کردیا۔

انگریزی فوج تھانہ بھون بھی پہنچی ایک بار تو شکست کھا کر بھاگی پھر پہلے سے زیادہ افراد اور ساز وسامان اور سکھ آرمی کے ساتھ دوبارہ حملہ کیا اس مرتبہ قصبہ تو پہلے ہی خالی ہوگیا تھا البتہ رات بھر گولہ باری کرکے صبح ہوتے ہوتے قصبہ کو کھنڈر میں تبدیل کردیا، صبح کو قصبہ میں داخل ہوئے جو ملا یا تو گولی ماردی یا گرفتار کرلیا جو عالیشان مکان کھڑا نظر آیا، آگ لگادی۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ نانوتوی کے گرفتاری وارنٹ جاری ہوئے، نشاندہی اور گرفتار کرانے والوں کو انعام کا لالچ دیا گیا۔

حضرت حاجی صاحب انبالہ، پنجلاسہ وغیرہ مواضعات اور قصبات میں روپوش رہ کر سندھ پہنچے اور پھر کراچی کے راستہ مکہ مکرمہ ہجرت فرماگئے، حضرت مولانا رشید احمد صاحب کو گرفتار کرکے سہارنپور جیل میں تین یوم کال کوٹھری اور پندرہ یوم حوالات میں رکھنے کے بعد ننگی تلواروں کے سایہ میں براہِ دیوبند پیدل مظفرنگر لایا گیا، چھ یا نو ماہ قید رہے مقدمہ چلتا رہا، سزائے موت کا خطرہ تھا مگر بفضل الٰہی کافی ثبوت مہیا نہ ہوسکے، جنوری ۱۸۶۰ء میں رہا کردئے گئے۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ تین دن روپوش رہ کر یہ کہتے ہوئے باہر آگئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں تین دن ہی چھپے تھے۔

بعد کے واقعات بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت سے دین کی عظیم الشان خدمت لینی تھی اس لئے حیرت انگیز طور پر آپ کی حفاظت فرمائی، حضرت کا حیرت انگیز بلکہ نادر الوقوع یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شاملی کے میدان کارزار میں آپ سر پکڑ کر بیٹھ گئے، عمامہ اور تمام کپڑے خون سے شرابور ہوگئے، سمجھا گیا کہ کنپٹی پر گولی لگ کر پار ہوگئی، حضرت حاجی صاحب نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کیا ہوا میاں؟ اس کے بعد عمامہ اتار کر دیکھا تو گولی یا زخم کا نشان تک نہیں تھا اسی زمانہ میں مجاہدین کی تنظیم اور تربیت کیلئے جامع مسجد کیرانہ کی سیڑھیوں پر نقارہ بجایا جاتا اور اعلان ہوتا ...... "ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا" گویا کیرانہ میں انگریزی حکومت ہی نہیں تھی، کسی تاریخ سے یہ تو معلوم نہیں ہوتا کہ شاملی کی

جنگ آزادی میں مولانا رحمت اللہؒ بھی شریک تھے یا نہیں؟ البتہ ان کی یہ باغیانہ سرگرمیاں حکومت کی نگاہ میں تھیں نیز انہوں نے جگہ جگہ عیسائی مبلغوں اور پادریوں کو دھول چٹائی تھی اور عالمی شہرت یافتہ مناظر پادری فانڈر کو آگرہ میں ایسی شکست دی تھی جس سے عیسائی دنیا منھ دکھانے کے قابل نہیں رہی تھی اور عیسائیت کی تبلیغ پر بریک لگ گیا تھا اس لئے انگریز ان کو اپنا دشمن سمجھتا تھا، تحصیل شاملی پر حملہ کاالزام لگا کر گرفتاری وارنٹ جاری کردیا، مولانا بذات خود پورے مجاہدانہ عزم وحوصلہ کے ساتھ گرفتاری کیلئے تیار تھے لیکن بزرگوں نے روپوش ہونے پر اصرار کیا، مولانا نے اپنا نام مصلح الدین رکھا، جے پور اور جودھ پور کے مہیب ریگستانوں اور خطرناک راستوں کو پورے عزم واستقامت اور صبر واستقلال کے ساتھ طے کرتے ہوئے کیرانہ سے سورت پیدل پہنچ گئے۔اعزاء واقارب، ملک اور وطن عزیز کو خدا حافظ کہہ کر سورت بندرگاہ سے ہجرت کی نیت سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اُدھر حکومت نے مفرور باغی قرار دے کر گرفتاری کیلئے ایک ہزار روپے کے انعام کااعلان کیا اور غائبانہ مقدمہ چلایا آپ کو اور آپ کے پورے خاندان کو تمام جائیداد سے بے دخل کردیا، مزروعہ زمین بحق سرکار ضبط کی اور لاکھوں کی سکنائی جائیداد صرف ایک ہزار چار سو بیس روپے میں نیلام کردی۔

ہندوستان میں امت مسلمہ کیلئے یہ وقت بے حد نازک اور اس کی قیادت کے لئے لمحۂ فکر یہ تھا، غلامی کی زنجیریں پہلے زیادہ مضبوط اور انگریز حکومت کہیں زیادہ مستحکم ہوگئی تھی، اس کو آج تک ہر جگہ جس مسلح مزاحمت کا سامنا تھا وہ ختم ہوگئی تھی، عنان حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے بجائے انگلستان گورنمنٹ کے ہاتھ میں آگئی تھی، مسلم بادشاہت برائے نام بھی باقی نہ رہی تھی، قائدین علماء، شعراء، روٴساء چن چن کر موت کے گھاٹ اتار دئے گئے، افرادی اور مالی قوت اس طرح تباہ ہوگئی تھی کہ بظاہر مسلح جدو جہد آزادی کا اب دوردور تک امکان باقی نہیں رہا تھا اور یہ نظر آنے لگا تھا کہ فرنگیوں کو اپنے ناپاک عزائم اور منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی، فرنگی تہذیب وثقافت اسلامی اور مشرقی تہذیب کی جگہ لے لے گی، ایمان وعقیدہ کو زبردست خطرہ لاحق ہوگیا تھا، اندیشہ تھا کہ حکومت کا رعب وجلال، مناصب کی طمع، دولت کی چمک، ایمانی غیرت اور ملی حمیت پر غالب نہ آجائے، چونکہ ایمانی احساس، ذوق عمل، سیاسی شعور قربان کرنے کے بعد ہی کچھ دولت یا کوئی اعزاز و منصب ملتا تھا۔

اسلامی علوم کو سنگین خطرہ لاحق ہوگیا تھا، فارسی کے بجائے انگلش زبان راج بھاشا ہوگئی تھی، علماء کو یہ فکر ستارہی تھی کہ مسلمان اپنے علوم اور اپنی تاریخ اور زبان وادب سے بیگانہ ہوجائے گا، علماء وفضلاء کے

بجائے مڈل اور انٹر پاس کو سرکاری نوکری دی جائے گی، فقہ اسلامی کے ماہر قاضی اور جج نہیں ہوں گے بلکہ انگزیری لاء پڑھنے والے عدالت کی کرسی پر براجمان ہوا کریں گے، اگر اسلامی علوم کی تعلیم دی بھی گئی تب بھی تشریح وہ ہوگی جس کا قرآن وحدیث سے دور کا بھی واسطہ نہ ہوگا اور علم دین کے بجائے الحادو زندقہ کی تعلیم ہوگی، انگریز دانشور اور مفکرین ہندوستانیوں کے ذہن وفکر کو بدلنے کے منصوبوں پر پہلے ہی کام شروع کر چکے تھے، لارڈ میکالے کے طرز تعلیم اور نصاب تعلیم کا مرکزی نقطہ یہی تھا۔اس بارے میں علامہ اقبال نے اپنے قلبی احساسات کا یوں اظہار فرمایا ہے۔

بیکاری و عریانی و میخواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
اور یہ اہل کلیسا کانظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین شریعت کے خلاف
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلاآئے گا الحاد بھی ساتھ
آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل
دنیا تو رہی طائر دیں کر گیا پرواز

بہر حال حالات اگر چہ بیحد مایوس کن تھے امید کی کرن دور دور تک نظر نہیں آرہی تھی مگر زندہ قومیں جب زوال سے دوچار ہوتی ہیں تو وہ آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالتیں بلکہ اس کشمکش کے دور میں ان میں اکثر وبیشتر غیر معمولی نظر وفکر، عزم وحوصلہ پیدا ہوتا ہے اور وہ جان توڑ کوشش کرکے زوال کی روک تھام کرتی ہیں اور اس جہد وعمل سے دماغوں میں نئی حرکت، دلوں میں نئے ولولے پیدا ہوتے ہیں اور جوش وہوش کے ساتھ نئی زندگی کیلئے از سر نو تگ ودو شروع کرتی ہیں۔

فکر ولی اللہ کی اس جماعت میں نہ صرف یہ کہ خوف وہراس نہیں تھا اور ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی تھی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس نازک گھڑی اور خطرناک موڑ پر امت کی قیادت کیلئے منجانب اللہ مامور تھے وہ اپنی باعافیت زندگی کی فکر چھوڑ کر اپنا اور اپنی اولاد کا مستقبل اللہ تعالیٰ کے سپرد کرکے لٹی پٹی قوم کو سنبھالنے، ان کے عزم وحوصلہ کو بلند کرنے، ان کی تہذیب وثقافت، زبان وادب، دین ومذہب ایمان وعقیدہ کی حفاظت کے منصوبے اور انگریز کے مذموم عزائم ناکام بنانے کی حکمت عملی وضع کرنے میں مصروف ہوگئے۔

ان کی ایمانی بصیرت اور مومنانہ فراست نے یہ فیصلہ کیا کہ اب حکمت عملی تبدیل کر دی جائے اور باقی ماندہ توانائی کتاب وسنت کی صحیح تشریح اس کی حفاظت اور عام مسلمانوں تک اس کی اشاعت میں صرف کی جائے، تاکہ مسلمان اپنے ایمان واسلام کی سلامتی کے ساتھ اپنے تاریخی ورثہ کی حفاظت بھی کریں اور جسمانی ذہنی وفکری غلامی سے بھی نجات حاصل کر سکیں ۔ان کو ایسی قیادت بھی میسر ہوتی رہے جوان کی فلاح و بہبود کی فکر اور دینی و دنیاوی امور میں ان کی رہنمائی کر سکے ۔

اس لئے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ کے طرز پر مدارس قائم کر کے مسلمانوں میں علم دین عام کرنے کی قرارداد منظور ہوئی ، اکابر کا یہ فیصلہ بروقت اور بالکل صحیح فیصلہ تھا ، مسلمانوں کے شیرازۂ وحدت کو پراگندہ کرنے ، دینی ماحول ، دینی علوم اور سیادت وقیادت سے محروم رکھنے کی جو مذموم کوشش وکاوش ہو رہی تھی اس کا واحد علاج یہی تھا ، امت مسلمہ کی حفاظت اور بقاء، قرآن وحدیث کی حفاظت اور بقا سے وابستہ ہے، قرآن وحدیث اسلامی فقہ اسلامی تاریخ سلف صالحین کے اعلیٰ اقدار اور بے مثال کارناموں کی حفاظت و بقاء کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت تھی ہی نہیں ۔انگریز نے بھی اب حاکمانہ جبر واستبداد سے زیادہ تعلیم کے ذریعہ ذہن وفکر کو بدلنے کی حکمت عملی اختیار کی تھی اس کا توڑ بھی یہی تھا ۔

امیر المجاہدین ہونے کی وجہ سے حضرت حاجی صاحب پر حکومت کی بہت کڑی نظر تھی وہ سمجھتے تھے کہ حاجی صاحب کی قائدانہ شخصیت ان کے لئے کبھی بھی خطرہ ثابت ہو سکتی ہے اس لئے حضرت حاجی صاحب کے لئے ہجرت ناگزیر ہو گئی تھی لیکن آپ کے جن رفقاء نے ہندوستان میں اپنا مستقبل غیر محفوظ سمجھ کر ہجرت کی اجازت چاہی ان کو سختی سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ میرا دل شہادت دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہندوستان میں ابھی اپنا صحیح دین باقی رکھنا منظور ہے اور صحیح دین کے لئے صحیح علم کی ضرورت ہے اور آپ حضرات علماء کی جماعت اس کی حامل ہے، منجانب اللہ آپ حضرات کی نصرت وصیانت ہوگی ، ہجرت کا خیال ترک کر کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود،ان کے دین وایمان اور عقیدہ کے تحفظ کی تدابیر عمل میں لاؤ، اللہ تعالیٰ آپ حضرات سے بڑا کام لیں گے ۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے خلفاء اور ان کے رفقاء ان کی سرپرستی اور رہنمائی میں اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کئی سال مسلسل مخلصانہ محنت کرتے رہے حتی کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور ان کے رفقاء نے ١٥ محرم ١٢٨٣ھ مطابق ١٨٦٦ء میں دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا اور یہ اس سنہری لڑی کی پہلی کڑی ہے ۔

ایسے ہی فکر و اندیشے، جذبات و ولولے، عزائم اور حوصلے شہر سہارنپور کی علماء حق کی جماعت کو بے قرار کئے ہوئے تھے، ذکر و تذکرے، صلاح و مشورے ہو رہے تھے بالآخرہ مبارک و مسعود گھڑی آگئی اور یکم رجب ۱۲۸۳ھ مطابق ۹؍نومبر ۱۸۶۶ء میں چوک بازداران کی مسجد میں حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوریؒ اور ان کے رفقاء نے ایک مدرسہ کی داغ بیل ڈالی، یہی مدرسہ اپنی ڈیڑھ سو سالہ شاہکار خدمات اور شاندار عمارات کے ساتھ مدرسہ مظاہر علوم (وقف) کے نام سے موجود اہل نظر و فکر کے نزدیک مستند و معتبر اور عالم اسلام میں مشہور و مقبول ہے ان دونوں مدرسوں کو توئمین (دو جڑواں بھائی کہا جاتا ہے)۔

ایسے مدارس کا قیام جن کی کفالت کوئی امیر یا رئیس یا والی سلطنت نہیں بلکہ غریب عوام کریں گے اور ان کی روز افزوں مقبولیت، سہولیات کے فقدان اور دنیا میں کسی روشن مستقبل کی ضمانت نہ ہونے کے باوجود پڑھنے پڑھانے والوں کا ہجوم، حاکم وقت کی بدنگاہی سے حفاظت ان مدارس کے الہامی ہونے کی برکات ہیں۔

اسلام اور امت مسلمہ کی بقاء و ترقی اور تحفظ کی یہ سبیل اللہ تعالیٰ نے ہی ان مخلصین کے روشن اور پاکیزہ قلوب میں القاء فرمائی تھی اور مستجاب اوقات میں اللہ تعالیٰ کے حضور آہ و زاری، عجز و انکساری کے ساتھ برسوں التجاء کرتے رہنے سے ہی اس نے ان کے قیام کے اسباب مہیا فرمائے تھے۔

مکہ مکرمہ میں ایک صاحب نے جب مدرسہ دیوبند کے آغاز کی خبر حضرت حاجی صاحب کو دی اور کہا کہ ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لئے دعا فرمائیں تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا:

> ’’سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں ہم نے مدرسہ قائم کیا، یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا! ہندوستان میں اسلام اور علم دین کے تحفظ کا کوئی ذریعہ پیدا فرمادے یہ مدرسہ ان ہی سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے‘‘۔

ایسے حالات اور پرخطر ماحول میں اکابر اہل اللہ کے کمالات اور ان کے کارناموں کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، دارالعلوم دیوبند کا وجود مسعود اسی سلسلۃ الذہب کی مبارک کوشش تھی تو مدرسہ مظاہر علوم بھی اولیاء کاملین اور مقبولانِ بارگاہ رب العالمین کی مستجاب دعاؤں کا ثمرہ ہے، دارالعلوم کی خدمات اور کارناموں سے تو دنیا واقف ہے لیکن مظاہر علوم نے شروع ہی سے گمنامی میں رہنے اور سادگی کی زندگی جینے کو ترجیح دی اسی لئے اطراف ملک اور اکناف عالم میں جس قدر کارنامے مشہور ہونے چاہیے تھے اتنے مشہور نہیں ہوئے آج اس تناور اور بار آور شجر طوبی کی شاخیں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔

رمضان المبارک کی خبر سب سے پہلے دینا

ایک اہم مسئلہ

محمد داؤد الرحمٰن علی

سوشل میڈیا (Social Media) پر ان دنوں نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث یا قول منسوب کیا جا رہا ہے، جسمیں یہ درج کیا جا رہا ہے کہ:

"جس نے رمضان المبارک کی خبر سب سے پہلے کسی کو دی، اس کے لیے جہنم کی آگ حرام ہے۔"

یا د رہے یہ نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک نہیں ہے کیونکہ یہ قول، حدیث کی کسی بھی اسلامی کتب میں مذکور نہیں ہے، لہذا یہ میسیج کسی کو ارسال ہرگز نہ کریں، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ؛۔

"جو شخص میرے حوالہ سے جھوٹ بات کہے، اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنا لے۔"

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

"آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے نقل کر دے۔"

(۱) یاایھاالذین آمنو ان جآءکم فاسق بنبافتبینوان تصیبوقومابجھالة فتصبحو علی مافعلتم نادمین (سورة الحجرات:٦)

(۲) عن أبی ھریرہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: من کذب عليَّ متعمّدافلتبوأمقعدہ من النار (مسلم.البخاري،أبي داؤد،ابن ماجه،أحمد)

اس کو سمجھنے کے بعد دوسروں بھی آگاہ کریں تاکہ معاشرہ سے بے دلیل خود سے گھڑی ہوئی عبارت کو حدیث قرار دینے کا یہ سلسلہ ختم ہوجائے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہم سب کو صحیح معنوں میں دین کی سمجھ عطا فرمائے اور عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

''خانقاہ نمبر''

معزز قارئین!

وفیات الاعیان نمبر کی اشاعت کے بعد علمی و دینی حلقوں سے ایک اہم موضوع پر خصوصی شمارہ کی فرمائش زوروں پر ہے اور وہ موضوع ہے ''خانقاہ نمبر''

اس نمبر کے تحت

☆ خانقاہوں کا وجود: وقت کی ضرورت
☆ قدیم دور کی اہم خانقاہیں
☆ خانقاہی نظام اور عوام
☆ خانقاہوں کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح
☆ خانقاہان ہند و پاک
☆ برصغیر میں خانقاہوں کی اہمیت
☆ دور حاضر کی معروف خانقاہیں
☆ صفۂ نبوی: اولین خانقاہ
☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانقاہی زندگی
☆ سلاسل تصوف
☆ ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی کا فیض بیکراں
☆ گمشدہ خانقاہیں
☆ دینی مدارس میں خانقاہی نظام

اور اس جیسے دیگر اہم موضوعات پر آپ کی علمی و تاریخی نگارشات کا ہمیں انتظار رہے گا۔ یہ شمارہ ان شاء اللہ سابقہ روایات کی طرح دستاویزی اور معیاری ہوگا۔

اپنے کمپوز شدہ مضامین ''nasirmazahiri@gmail.com'' پر ہی ارسال فرمائیں

خیر اندیش:

ناصر الدین مظاہری

(مدیر اعزازی)